ذوالحجہ ۱۴۳۵ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱۴ء

سہ ماہی

حکمت قرآن

لاہور

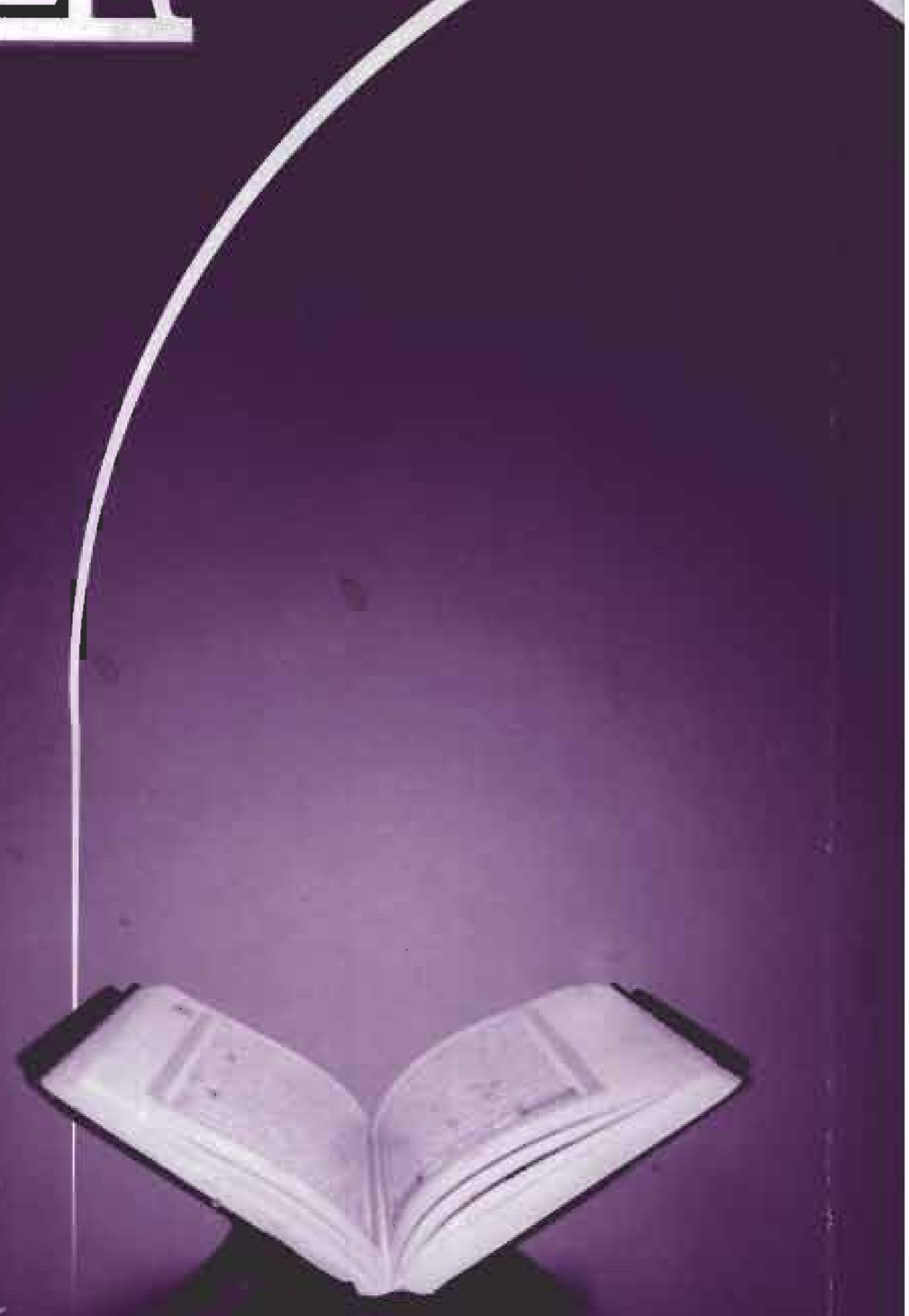

موسس: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

داعیٔ رجوع الی القرآن بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(نواں ایڈیشن) ——— صفحات:360، قیمت475روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات321، قیمت425روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التّوبہ
(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات331، قیمت425روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات394، قیمت475روپے

حصہ پنجم سُورۃُ مَریَم تا سُورۃُ السَّجدۃ
(تیسرا ایڈیشن) ——— صفحات480، قیمت575روپے

حصہ ششم سُورۃُ الاحزاب تا سُورۃُ الحجرات
(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات484، قیمت590روپے

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ: ۲۶۹)

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

جلد ۳۳ شمارہ ۴

ذُوالحجہ ۱۴۳۵ / صفرالمظفر ۱۴۳۶ھ اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱۴ء

بیاد:

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ــ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مدیر مسئول: ڈاکٹر ابصار احمد

مُدیر : حافظ عاطف وحید

نائب مُدیر:
حافظ خالد محمود خضر

ادارۂ تحریر:
ڈاکٹر حافظ محمد زبیر۔ حافظ نذیر احمد ہاشمی
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

یکے از مطبوعات مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون 3-35869501

ویب سائٹ : www.tanzeem.org

ای میل: publications@tanzeem.org

سالانہ زرِتعاون : 200 روپے ، فی شمارہ : 50 روپے

اس شمارے میں

حرفِ اوّل

اسلام کا احیائے نو اور جامع لائحہ عمل	ڈاکٹر ابصار احمد	3

فہمُ القرآن

ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	افادات حافظ احمد یارؒ	9

حکمتِ نبویؐ

انبیاء اور علم غیب کی حقیقت	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	26

دعوتِ فکر

قرآن کا فلسفۂ اخلاق: اہمیت اور تفہیم	شاہ اجمل فاروق ندوی	29

تقابلِ ادیان

محاسنِ اخلاق: قرآن وبائبل کی روشنی میں	محفوظ الرحمٰن قاسمی	35

حسنِ مُعاشرت

مقصدِ اُمت اور اخوت ومحبت	حافظ انجینئر عمیر انور	42

فقہ و اجتہاد

عصرِ حاضر میں اجتہاد کا طریقہ کار اور اس کے تقاضے	پروفیسر محمد انس حسان	67

کتاب نما

تعارف وتبصرہ	ادارہ	85

بیانُ القرآن

MESSAGE OF THE QURAN	Dr. Israr Ahmad	96

اسلام کا اِحیائے نو اور جامع لائحہ عمل

صدر مؤسس مرکزی انجمن' خدام القرآن برادر مکرم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ماہنامہ ''میثاق'' بابت جون ۱۹۶۷ء کے ایڈیٹوریل سیکشن بعنوان ''تذکرہ وتبصرہ'' میں اپنا ایک طویل مضمون مندرجہ بالا مبحث پر شائع کیا۔ تحریر کو قلمبند کرنے کے وقت آپ عمر کے چھتیسویں (۳۶) سال میں تھے اور صرف ایک کُل وقتی معاون/ملازم کی حیثیت سے میثاق طبع کرا کر حوالہ ڈاک کیا کرتے تھے۔ اگلے برس اس طویل مضمون کو ''اسلام کی نشأۃ ثانیہ۔ کرنے کا اصل کام'' کے عنوان کے ساتھ کتابچے کی صورت میں دارالاشاعت اسلامیہ (کرشن نگر' لاہور) سے شائع کیا۔ بعد ازاں انجمن خدام القرآن کی تاسیس پر ۱۹۷۳ء میں اسے بڑے پیمانے پر شائع کیا۔ گویا ایک اعتبار سے اس مقالے کو انجمن کے مینی فیسٹو (Manifesto) کا درجہ حاصل ہے۔ مدیر مکتبہ کی اطلاع کے مطابق فروری ۲۰۱۴ء تک اس کے سترہ (۱۷) ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور اس طرح یہ کتابچہ لگ بھگ نصف لاکھ کی تعداد میں چھپ کر قارئین تک پہنچا ہے۔ یادش بخیر' انگلستان روانگی سے قبل میرا ایک چھوٹا سا مضمون ''فلسفہ میں تالیفی نقطۂ نظر کے احیاء کی ضرورت'' اگلے ہی شمارے یعنی جولائی ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ میثاق کی ۱۹۶۷ء کی مجلد فائل (جو مرورِ زمانہ سے خاصی بوسیدہ ہوگئی ہے) محولہ بالا تحریر کو دیکھنے کے لیے قرآن اکیڈمی لائبریری سے منگوائی' تو اپنا مضمون بھی نظر آیا جو ایم اے (فلسفہ) کے بعد یورپ جانے سے پہلے میری واحد طبع شدہ تحریر ہے۔ انگلینڈ سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب کے اصرار پر میں نے اس کتابچے کا انگریزی ترجمہ کیا اور عنوان Islamic Renaissance: The Real Task Ahead رکھا۔ میرے کچھ خطوط جو ڈاکٹر صاحب 'بریدِ فرنگ' کے عنوان سے میثاق میں دیتے رہے تھے' شاہد ہیں کہ میں نے زیر بحث کتابچے کو متعدد بار پڑھا تھا اور اس کے مندرجات کا میرے ذہن پر گہرا اثر تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے تئیں اس کے انگریزی ترجمے پر خاصی محنت صرف کی اور پھر ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر پورا مسودہ ۱۹۷۶ء میں ریوازگارڈن میں قیام کے دوران ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مرحوم ومغفور کو پڑھ کر سنایا اور بعض مقامات پر تصحیح یا وضاحت کے لیے لفظی مشوروں کو قبول کیا۔ غالباً انجمن کے مالی حالات تنگ ہونے کے باعث اس کی اشاعت میں تاخیر ہوتی رہی اور یہ ترجمہ مرکزی انجمن خدام القرآن نے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا جو مئی ۲۰۱۳ء تک آٹھ طباعتوں سے گزر کر کل تیرہ ہزار (۱۳,۰۰۰) کی تعداد میں چھپ چکا ہے۔

اس مضمون کی جون ۱۹۶۷ء کے میثاق میں اشاعت کا وقت وہ تھا جب اُمتِ مسلمہ بالعموم اور مسلمانانِ

عرب بالخصوص اسرائیل کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو کر ایک شدید ہیجانی کیفیت میں تھے اور پوری دنیا کے مسلمانوں نے اپنے دلوں میں درد کی ٹیسیں محسوس کیں۔ نام نہاد 'اقوام متحدہ' نے اس معاملے میں سرد مہری ہی نہیں باقاعدہ اسرائیل نوازی کا رویہ اختیار کیا۔ اس سے کم از کم مسلمانانِ عرب کے لیے تو ایک بار وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کی وہی کیفیت پیدا ہو گئی جس میں کئی ہزار برس تک بنی اسرائیل مبتلا رہے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف بلادِ عرب بلکہ مسلم امت کے عمومی ادبار اور نکبت (predicament and malaise) کا گہرا مطالعہ و تجزیہ کر کے زیر نظر کتابچے میں اس کی تشخیص اور علاج کا طریقہ واضح کیا ہے۔ ان کے خیال میں اُمتِ مسلمہ کی ہچکولے کھاتی کشتی کو تیز و تند طوفانوں کا سامنا صرف اس لیے ہے کہ وہ دین کی اصل یعنی ایمان اور قرآن سے بُعد رکھتی ہے اور دیرپا علاج بھی صرف ایک ہے اور وہ تجدید ایمان ہے۔ اس کتابچے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے افکار کو بہت اختصار و اِجمال کے ساتھ پیش کیا ہے' جن کی بعد کی دہائیوں میں متعدد تحریروں اور خطابات میں شرح و بسط کے ساتھ مزید وضاحت کی۔ بالفاظِ دیگر رسالہ ہذا کو ڈاکٹر صاحب کے غلبۂ دین کے لیے فکر دینی اور اس کے لیے عملی منہاج کی وضاحت میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ دعوتِ قرآنی کی تحریک اور اقامتِ دین کے لیے طویل عملی جِدّوجُہد کے دوران جہاں ان کی بعض آراء میں جزوی تبدیلی یا ارتقاء ہوا وہاں یہ حقیقت ہے کہ زیر مطالعہ کتابچے کے مندرجات پر انہیں مسلسل اصرار رہا اور حیاتِ دنیوی کے آخری لمحے تک اس پر ان کا تیقّن برقرار رہا۔ مرورِ ایام سے اس کے اہم نکات کی علمی اصابت اور عملی افادیت پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑا اور یہ جس طرح ۱۹۶۷ء اور اس سے ماقبل کی اُمتِ مسلمہ کی مضمحل صورتِ حال کی تشخیص اور اس کا مداوا تھے' بالکل اسی طرح لمحہ موجود میں تیزی سے بدلتے ہوئے' بالخصوص نائن الیون اور بعد کے عالمی حالات میں اُمت مرحومہ کی زبوں حالی کا تجزیہ اور عملی اسٹریٹجی ان میں موجود ہے۔

اس مختصر کتابچے میں مضامین کو دس ذیلی عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے' جس میں سے دو عنوانات:

(۱) اسلامی نظامِ حیات کا تصور اور بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں

(۲) تعبیر کی کوتاہی

کے تحت نہایت اجمال کے ساتھ وہ مضامین آئے ہیں جو آپ نے جماعت اسلامی کی پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے ۱۹۵۷ء میں جائزہ کمیٹی میں پیش کرنے کے لیے ایک طویل بیان میں شامل کیے تھے جو کم و بیش دس سال بعد ''تحریک جماعت اسلامی — ایک تحقیقی مطالعہ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ چنانچہ اس کتابچے کے مشمولات کو سمجھنے کے لیے مؤخر الذکر مبسوط و مفصّل کتاب کا مطالعہ بھی ازبس ضروری ہے۔ اور اس طرح یہ دونوں تحریریں مل کر ایک ہی مضمون کو مکمل کرتی ہیں۔ ان دو تحریروں کا حاصل چند الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ احیائے اسلام کی خواہش صرف دو شرائط کے پورا کرنے ہی سے ممکن ہے۔ اولاً: ایمان کی عمومی تجدید کے لیے وسیع پیمانے پر عمومی دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت بذریعہ حلقہ ہائے دروس قرآنی اور تربیتی و تذکیری مجالس۔ ثانیاً: علوم قرآنی کی اعلیٰ علمی سطح پر اشاعت اور ایک زبردست علمی تحریک کا اہتمام جو سوسائٹی

کے اعلیٰ ترین طبقات اور ذہین ترین عناصر کے فکر ونظر میں انقلاب برپا کر دے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ترتیب کے اعتبار سے لائحہ عمل کے دوسرے نکتے کو پہلے بیان کیا ہے اور 'کرنے کا اصل کام' کا ذیلی عنوان دیا ہے۔ جبکہ اوّل الذکر کو 'عملی اقدامات' کے تحت بیان کیا ہے۔ لیکن پورے کتابچے کو سامنے رکھیں تو یقیناً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عملی اسٹریٹجی میں دونوں بالکل برابر اہمیت کے کام ہیں۔ 'کرنے کا اصل کام' یعنی زبردست علمی تحریک کے لیے افرادی قوت پہلے کام کے نتیجے میں ملے گی۔ راقم بعد میں وضاحت کرے گا کہ کس طرح مرحوم صدرِ مؤسس کے بعض خوشہ چین اور تلامذہ ان کے بیان کردہ ان دو ہم وزن اسٹریٹجک پروگراموں میں سے صرف مؤخر الذکر کو اصل اور بنیادی قرار دے کر اسی پر (exclusively) اپنی توجہات اور صلاحیتیں صرف کرنے کا پروگرام بنائے ہوئے ہیں اور اول الذکر کام کی اہمیت سے کلیتاً صرفِ نظر کیے ہوئے ہیں۔

ہم سب سے پہلے زیر مطالعہ کتابچے کے عنوان پر غور کرتے ہیں' کیونکہ نہ صرف ''نشاۃِ ثانیہ'' بلکہ اس کے انگریزی ترجمے/متبادل Renaissance پر بھی چند حضرات جن میں ڈاکٹر احمد افضال بھی ہیں' نے بالخصوص اس فرنچ/انگلش لفظ پر بحث کی ہے اور اس کے کلچرل اور تاریخی معانی کے پَرت کھولے ہیں۔ کتابچے کے اندرونی ٹائٹل صفحہ پر دارمی اور طبرانی کی روایت کردہ یہ حدیثِ نبویؐ دی گئی ہے جس سے قرآن حکیم میں استعمال کیے گئے الفاظ اور تراکیب کے ساتھ ''نشاۃ ثانیہ'' کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ فرمانِ نبویؐ کے الفاظ یہ ہیں:

((مَنْ جَاءَ هُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ))

''جسے موت نے اس حال میں آلیا کہ وہ طلب علم میں صرف اس لیے مصروف تھا کہ اس علم کے ذریعے اسلام کی حیاتِ نو کا اہتمام کرے تو اُس کے اور انبیاءؑ کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔''

اس مرحلے پر اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جانا چاہیے جس میں بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی مبتلا ہوتے ہیں اور یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ اسلام تو ایک ہمیشہ زندہ رہنے والی اور لازوال حقیقت ہے' اس کی 'نشاۃِ ثانیہ' چہ معنی دارد؟ لیکن اگر وہ متعدد احادیث نبویہ میں آئے ہوئے الفاظ پر غور کریں تو انہیں اپنی یہ پوزیشن بہت بودی لگے گی۔ ایک دوسری حدیث میں اسلام کے بارے میں آئے ہوئے الفاظ ''.....وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا.....'' یہ بتاتے ہیں کہ جس طرح دینِ اسلام اپنے اوائل میں اجنبی تھا اور بہت کم اس کے ماننے اور حمایت کرنے والے تھے' اسی طرح بعد کے زمانے میں یہ پھر غربت یعنی غربت ثانیہ کی طرف لوٹے گا۔ اور اسے دوبارہ 'زندہ' اور غالب کرنے کے لیے مؤمنین صادقین کی محنتیں درکار ہوں گی۔ 'نشاۃ' ثانیہ کے لفظی معنی ڈکشنری میں 'حیاتِ نو'، 'نموئے ثانی'، 'بعثتِ نو'، 'ولادتِ ثانیہ' دیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں پائی جانے والی تراکیب 'نشأۃِ اولیٰ'، 'نشأۃ الاٰخرۃ' اور 'نشأۃ الاُخریٰ' ہیں۔ پہلی ترکیب کا معنی پہلی تخلیق' جبکہ آخری دو تراکیب کا مفہوم بعث بعد الموت یعنی موت کے بعد دوبارہ پیدا کیا جانا ہے۔ نشاۃ ثانیہ کا انگریزی میں ترجمہ Renaissance (جو راقم نے کیا تھا) ڈاکٹر احمد افضال اس وضاحت کے ساتھ قبول کرتے ہیں کہ اس کے اصل مفہوم کا تعلق پندرہویں اور سولہویں صدی

میں برپا ہونے والی اس علمی تحریک سے ہے جس کے زیر اثر یورپ قرونِ وسطیٰ کے تاریک دور سے نکل کر دوبارہ علوم اور سائنسز سے روشناس ہوا۔ چنانچہ لفظ Renaissance کا یہ مفہوم کہ دنیائے اسلام میں بھی یورپی تہذیبی تاریخ سے وابستہ اس کے مماثل دور کا آغاز ہو' غلط ہوگا۔ اور کسی دینی روایت مثلاً اسلام کے تناظر میں اس ٹرم کا مفہوم کئی دوسرے انگریزی الفاظ سے ادا ہوگا جنہیں میں ان کے امریکہ میں کیے گئے حالیہ ترجمے کے تعارفی سیکشن سے نقل کر رہا ہوں۔ یہ تعارفی سیکشن انہوں نے اپنی ویب سائٹ پر نظر ثانی کے بعد خاصا بدل دیا ہے۔ میں وضاحت کے لیے قبل ازیں دیے گئے تعارف سے خط کشیدہ الفاظ دے رہا ہوں تاکہ ''نشأۃ ثانیہ'' کا مفہوم انگریزی دان قارئین کے لیے بھی بالکل واضح ہو جائے۔

> *"In the context of a religious tradition, an ethical and socio-political system, a culture and civilization - Islam being all of these - the idea of a rebirth would indicate its reappearance after a period of relative absence; its resurgence after a period of relative weakness; its reawakening after a period of relative slumber; its renewal after a peirod of ralative stagnation; its reconstruction after a peirod of relative collapse; its revival after a period of relative death."*

اسلامی لٹریچر میں ہمارے اہل علم متقدمین نے اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے 'تجدید'، 'اصلاح'، 'احیاء' اور کچھ دوسرے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ترکی کے ریفارمسٹ مفکّر فتح اللہ گولن نے اپنی تصانیف میں الفاظ 'انبعاث بعد الموت' بھی اسلام کی regeneration کے لیے استعمال کیے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مقالے کے ٹائٹل کے لیے الفاظ یقیناً قرآن میں آئے ہوئے مفہوم ہی سے لیے ہیں' جس کی وضاحت سطور بالا میں کی گئی ہے۔ میں حکمت قرآن کے ان قارئین سے جو انٹرنیٹ کا استعمال جانتے ہیں' درخواست کروں گا کہ وہ ڈاکٹر احمد افضال کی ویب سائٹ ☆ پر اس اہم کتابچے کا نیا انگریزی ترجمہ اور وضاحتی کمنٹری ضرور پڑھیں۔ قارئین یقیناً ان کی عرق ریزی' دقتِ نگاہ اور تحریر کی سلاست کی داد دیے بغیر نہیں رہیں گے۔ مزید برآں یہ امر بھی واقعتاً حیران کن ہے کہ کس طرح پندرہ سال کے طویل امریکہ میں قیام اور درس و تدریس کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر مصروفیت کے باوجود اس کتابچے کے مضامین سے ان کا انہماک کم نہیں ہوا۔

دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ عالمِ اسلام کے ذہین فطین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات وخواتین صرف نسلی یعنی پیدائشی اور کلچرل سطح پر مسلمان ہیں' جبکہ وہ اسلام کے دوبارہ احیاء اور عالمی سطح پر ابھرنے کا خیال ذہن و دل سے قطعاً نکال چکے ہیں۔ قرنِ اوّل اور خلافتِ راشدہ کا دوران کے نزدیک اب صرف تاریخ کا حصہ ہے جس کی بازیافت سے وہ نہ صرف بالکل ناامید ہیں' بلکہ اسے ناممکنات میں سے سمجھتے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دروسِ قرآن اور طبع شدہ تحریروں میں جابجا ان احادیثِ مبارکہ کا تذکرہ کیا ہے اور بڑے

☆ www.footprintsonsand.com/the-real-task-intro

پیمانے پر پھیلایا ہے' جن میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ یا بالفاظِ دیگر اسلام کا احیاء اور عالمی غلبہ واقعہ کی صورت میں ظاہر ہو کر رہے گا۔ ڈاکٹر صاحب اس ضمن میں علامہ اقبالؒ کے اشعار بھی بھرپور انداز میں استعمال کرتے تھے۔ میں یہاں پہلے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ رسولؐ جو مسند امام احمد بن حنبل میں آئی ہے' کا ترجمہ دیتا ہوں جس میں امت مسلمہ کی تاریخ اور مستقبل سمیت پانچ ادوار بیان کیے گئے ہیں:

''تمہارے اندر عہدِ نبوت جب تک اللہ چاہے گا موجود رہے گا۔ پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اس (عہدِ نبوت) کو ختم کر دے گا۔ (اس کے بعد) خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی' جو قائم رہے گی جب تک اللہ (اسے قائم رکھنا) چاہے گا' پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا۔ پھر (اس کی جگہ) کاٹ کھانے والی بادشاہت قائم ہو جائے گی' جو جب تک اللہ چاہے گا برقرار رہے گی۔ پھر جب اسے بھی اللہ ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر جابرانہ ملوکیت کا دور ہو گا' جو جب تک اللہ چاہے گا باقی رہے گا۔ پھر اللہ جب اسے ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (دوبارہ) قائم ہو جائے گی۔ پھر آپؐ خاموش ہو گئے۔''

دوسری حدیثِ رسولؐ جس میں ہمیں علامہ اقبالؒ کے بقول 'یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے' کُل روئے ارضی پر اسلام کے احیاء اور نشأۃ عالمیہ کی نوید سنائی گئی ہے وہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو مسلم' ترمذی' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں درج ہے۔ اس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا' چنانچہ میں نے اس کے تمام مشارق و مغارب دیکھے۔ اور یقیناً میری امت کا اقتدار وہاں تک پہنچے گا جہاں تک زمین کو میرے لیے لپیٹا گیا۔ (یعنی اسلام اور اہل اسلام کا اقتدار کرۂ ارض کے کونے کونے پر قائم ہو گا)۔''

تیسرا فرمانِ نبویؐ جس میں ایسی ہی بشارت دی گئی ہے مسند احمد میں ہے' اسے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے' جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا کوئی خیمہ جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے' خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے۔ یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اسلام کی بدولت) عزت عطا فرما دے گا اور انہیں کلمۂ اسلام کا قائل و حامل بنا دے گا یا (حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرما دے گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے''۔ حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا کہ ''پھر تو واقعتاً دین کُل کا کُل اللہ ہی کے لیے ہو جائے گا۔''

قرآن مجید کا مطالعہ ہم پر کتاب اللہ کا محکم فیصلہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح پیشین گوئیاں دونوں اس حقیقت کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ بعثتِ محمدیؐ کا مقصد یعنی نورِ الٰہی کا اتمام اور دین حق کا غلبہ ہو کر رہے گا۔ موجودہ مایوس کن حالات یقیناً حوصلہ شکن ہیں جس کا اظہار مصری نژاد امریکی مسلمان پروفیسر خالد ابوالفضل اپنے ایک مضمون کے عنوان میں اس طرح کرتے ہیں:

Islam is now living through its dark ages - and rebirth is not assured.

عنوان کے پہلے حصے سے ہمیں جزوی طور پر اتفاق ہے کہ اسلام اور اہل اسلام کا انٹرنیشنل فورمز میں قطعاً کوئی مؤثر عمل دخل نہیں۔ اگرچہ الفاظ کو بغور سمجھنے کی کوشش کی جائے تو مصنف کے اصل مدعا تک پہنچنا مشکل ہے۔ لیکن اسلام کے بارے میں یہ خیال کہ وہ تاریک دور سے گزر رہا ہے' صرف حقیقتِ ایمان سے سے ناآشنا شخص ہی رکھ سکتا ہے۔ بہرحال ہمارا زیادہ فوکس اس وقت عنوان کے دوسرے حصے پر ہے جس میں دین حق کے احیائے نو کے امکان کی نفی کی گئی ہے' جو ہماری نظر میں صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ماقبل سطور میں دی گئی نہایت واضح احادیث نبویہ کو درخور اعتناء نہ سمجھا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ فتنہ انکارِ حدیث کا شاخسانہ ہے۔ پروفیسر خالد ابوالفضل سے فکری مماثلت رکھنے والے لوگ ہمارے معاشرے میں کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں جو اسلام کے مستقبل کے حوالے سے قنوطیت اور ناامیدی کا شکار ہیں' درانحالیکہ قرآن ہمیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کی تاکید کرتا ہے اور تمام نظام ہائے زندگی پر اسلام کی برتری اور فوقیت (اظہارِ دین حق) قرآن کی اہم صراحت ہے۔

جیسا کہ قارئین کے علم میں ہے صدر مؤسس انجمن خدام القرآن کے دروس' تقاریر اور تحریک رجوع الی القرآن کے اثرات عالمی سطح پر محسوس کیے گئے تھے اور بیرونی اسفار بالخصوص نارتھ امریکہ کے متعدد اسفار میں بہت سے نوجوان حضرات (جو اس وقت وہاں تعلیمی مراحل کے آخری سٹیج پر تھے) نے بھی انجمن کے مقاصد اور دعوت وتربیت کے نظم سے اتفاق کرتے ہوئے دستِ تعاون بڑھایا تھا اور قرآن وسنت کے پیغام اور فلسفے کو اعلیٰ علمی سطح پر پیش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور اس جانب عملی پیش قدمی بھی کی تھی۔ لیکن اسے آپ کچھ لوگوں کی تلون مزاجی کہیے یا مغربی جامعات اور دانشوروں کے اندازِ فکر اور طرزِ نگارش سے مرعوبیت یا بقول شاعر 'اے روشنیٔ طبع تو برمن بلاشدی' کے سبب انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دیے ہوئے لائحہ عمل کی مختلف جہتوں اور گوشوں کو اپنی اپنی اہمیت کے حوالے سے ایک کلیت میں سامنے رکھ کر عمل کے میدان میں پیش قدمی کی بجائے صرف علمی پہلو کو exclusive اور ''اصل / مرکزی'' کام قرار دے لیا ہے' اور دوسرے کاموں کی بالفعل تحقیر پر اتر آئے ہیں۔ میری ناقص رائے میں یہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ٹوٹل اور جامع حکمت عملی سے انحراف ہے۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور اس سے وابستہ پاکستان کے متعدد شہروں میں انجمنیں قرآن حکیم' احادیثِ نبویہ اور دینی موضوعات کی تعلیم وتدریس کا اہتمام —— مثلاً رجوع الی القرآن کورسز' فہم دین کورسز' ہفتہ وار درسِ قرآن اور درسِ حدیث کی محافل' عربی زبان (صرف ونحو) اور تجوید کے پروگرام اور پھر رمضان المبارک کے دوران تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن ومختصر تشریح' کتابوں اور رسالوں کی اشاعت —— یہ سب امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدید ایمان کی کاوش ہے' جس کے نتیجے میں کچھ ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین وحضرات ایک زبردست علمی تحریک کے ذریعے اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دین حق کے دورِ ثانی کی راہ ہموار کر سکیں گے۔ اگر متذکرہ بالا حضرات اس پہلو سے خلوصِ نیت سے فلسفیانہ اور عقلی سطح پر دین حق کا اثبات اور انٹرنیشنل فورمز پر اس کی علمی ساکھ بحال کرنے کی سعی کرتے ہیں تو یقیناً عنداللہ ماجور ہوں گے اور یہ بھی قرآن وسنت کے محکمات پر مبنی دینی نشأۃِ ثانیہ کے لیے درکار ہمہ جہتی لائحہ عمل کا حصہ ہوگا۔ ان کے اور باقی کاموں کے درمیان فرق صرف تقسیم کار کے اعتبار سے ہوگا۔ ☆☆☆

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم

ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان

سورۃ المائدۃ

آیات ۶۷ تا ۷۱

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى
شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا
جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ
فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترکیب: ''لَسْتُمْ'' کا اسم اس میں شامل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے' اس کی خبر محذوف ہے اور ''عَلٰی شَیْءٍ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''فَلَا تَاْسَ'' فعل نہی ہے اور مجزوم ہونے کی وجہ سے ''تَاْسٰی'' کی ''یا'' گری ہوئی ہے۔ ''مَنْ اٰمَنَ'' میں ''مِنْهُمْ'' محذوف ہے۔ ''خَوْفٌ'' مبتدأ نکرہ ہے' اس کی خبر محذوف ہے اور ''عَلَيْهِمْ'' قائم مقام خبر ہے۔ ''وَاَرْسَلْنَا'' میں ''لَقَدْ'' محذوف ہے۔ ''فَرِيْقًا'' کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ ''كَذَّبُوْا'' اور ''يَقْتُلُوْنَ'' کے مفعول مقدم ہیں۔ ''اَلَّا'' میں ''اَنْ'' کی وجہ سے ''تَكُوْنَ'' منصوب ہوا ہے اور یہ ''كَانَ'' تامہ ہے۔

(دیکھیں: البقرۃ: ۱۹۳' نوٹ ۱)

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ :اے رسولؐ!
مَآ :اس کو جو
اِلَيْكَ :آپؐ کی طرف
وَاِنْ :اور اگر
فَمَا بَلَّغْتَ:تو آپؐ نے نہیں پہنچایا
وَاللّٰهُ :اور اللہ
مِنَ النَّاسِ :لوگوں سے
لَا يَهْدِى :ہدایت نہیں دیتا
قُلْ :آپؐ کہیے
لَسْتُمْ :تم لوگ نہیں ہو
حَتّٰى :یہاں تک کہ
التَّوْرٰىةَ :تورات کو
وَمَآ :اور اس کو جو
اِلَيْكُمْ:تم لوگوں کی طرف
وَلَيَزِيْدَنَّ :اور لازماً زیادہ کرے گا
مِّنْهُمْ :ان میں سے
اُنْزِلَ :نازل کیا گیا
مِنْ رَّبِّكَ:آپؐ کے رب (کی طرف) سے
وَّكُفْرًا :اور بلحاظ انکار کرنے کے
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ :کافر قوم پر
اٰمَنُوْا :ایمان لائے
وَالصّٰبِئُوْنَ :اور صابی ہوئے
مَنْ :(ان میں سے) جو
بِاللّٰهِ :اللہ پر
وعَمِلَ :اور عمل کیا
فَلَا خَوْفٌ :تو کوئی خوف نہیں ہے
وَلَا هُمْ :اور نہ وہ لوگ

بَلِّغْ :آپؐ پہنچاتے رہیں
اُنْزِلَ :نازل کیا گیا
مِنْ رَّبِّكَ:آپؐ کے رب (کی طرف) سے
لَّمْ تَفْعَلْ :آپؐ (یہ) نہیں کریں گے
رِسٰلَتَهٗ:اُس کے پیغام کو
يَعْصِمُكَ :بچائے گا آپؐ کو
اِنَّ اللّٰهَ :بے شک اللہ
الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ :کافر قوم کو
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ :اے اہلِ کتاب!
عَلٰى شَيْءٍ :کسی چیز پر
تُقِيْمُوا :تم لوگ قائم کرو
وَالْاِنْجِيْلَ :اور انجیل کو
اُنْزِلَ :نازل کیا گیا
مِّنْ رَّبِّكُمْ:تمہارے رب (کی طرف) سے
كَثِيْرًا :اکثر لوگوں کو
مَّآ :وہ، جو
اِلَيْكَ :آپؐ کی طرف
طُغْيَانًا :بلحاظ سرکشی کے
فَلَا تَاْسَ :پس آپؐ افسوس نہ کریں
اِنَّ الَّذِيْنَ :بے شک وہ لوگ جو
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا :اور جو یہودی ہوئے
وَالنَّصٰرٰى :اور نصاریٰ ہوئے
اٰمَنَ :ایمان لایا
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ :اور آخری دن پر
صَالِحًا :نیک
عَلَيْهِمْ :ان پر
يَحْزَنُوْنَ :غمگین ہوتے ہیں

لَقَدْ اَخَذْنَا : یقیناً ہم لے چکے ہیں
وَاَرْسَلْنَآ : اور ہم بھیج چکے ہیں
رُسُلاً : بہت سے رسول
جَآءَ هُمْ : آیا ان کے پاس
بِمَا : اس کے ساتھ جو
اَنْفُسُهُمْ : ان کے جی
كَذَّبُوْا : انہوں نے جھٹلایا
يَّقْتُلُوْنَ : وہ قتل کرتے ہیں
اَلَّا تَكُوْنَ : کہ نہیں ہوگی
فَعَمُوْا : پس وہ لوگ اندھے ہوئے
ثُمَّ : پھر
اللّٰهُ : اللہ
ثُمَّ : پھر
وَصَمُّوْا : اور بہرے ہوگئے
مِّنْهُمْ : ان میں سے
بَصِيْرٌ : ہمیشہ دیکھنے والا ہے
يَعْمَلُوْنَ : وہ کرتے ہیں

مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : بنی اسرائیل کا پختہ عہد
اِلَيْهِمْ : ان کی طرف
كُلَّمَا : جب بھی
رَسُوْلٌ : کوئی رسول
لَا تَهْوٰٓى : پسند نہیں کرتے
فَرِيْقًا : تو ایک فریق کو
وَفَرِيْقًا : اور ایک فریق کو
وَحَسِبُوْٓا : اور انہوں نے گمان کیا
فِتْنَةٌ : کوئی آفت
وَصَمُّوْا : اور بہرے ہوئے
تَابَ : متوجہ ہوا (اپنی شفقت کے ساتھ)
عَلَيْهِمْ : ان پر
عَمُوْا : اندھے ہوگئے
كَثِيْرٌ : اکثر
وَاللّٰهُ : اور اللہ
بِمَا : اُس کو جو

آیات ۷۲ تا ۷۷

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ ع

ء ف ك

اَفَكَ يَأْفِكُ (ض) اَفْكًا : (۱) کسی چیز کو اُس کے رُخ سے پھیر دینا۔ (۲) جھوٹ گھڑنا' جھوٹی چیزیں بنانا۔ ﴿اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ﴾ (الاحقاف:۲۲) ''کیا تو آیا ہمارے پاس تا کہ تُو پھیر دے ہم کو ہمارے خداؤں سے۔'' ﴿فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ (الاعراف) ''تو جب ہی وہ نگلتی ہے اس کو جو وہ لوگ جھوٹ بناوٹ کرتے ہیں۔''

اِفْكٌ (اسم ذات) : گھڑا ہوا جھوٹ' بہتان۔ ﴿هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾﴾ (النور) ''یہ ایک کھلا بہتان ہے۔''

اَفَّاكٌ (فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ) : بار بار یا بکثرت جھوٹ گھڑنے والا' بہتان لگانے والا۔ ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۷﴾﴾ (الجاثیة) ''تباہی ہے ہر ایک بہتان باز گناہگار کے لیے۔''

اِئْتَفَكَ (افتعال) اِئْتِفَاكًا : کسی جگہ یا بستی کا الٹ جانا' اوندھا ہونا۔

مُؤْتَفِكَةٌ (اسم الفاعل) : اُلٹ جانے والی۔ ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾﴾ (النجم) ''اور الٹ جانے والی بستی کو اُس نے نیچے گرایا۔''

ترکیب: ''اِنَّ'' کا اسم ''اَللّٰهَ'' ہے' ''اَلْمَسِيْحُ'' اس کی خبر معرف باللام آئی ہے' اس لیے ''هُوَ'' کی ضمیر فاصل آئی ہے' جبکہ ''اِبْنُ مَرْيَمَ'' بدل ہے ''اَلْمَسِيْحُ'' کا۔ ''اِنَّهٗ'' میں ''ہٗ'' کی ضمیر ''اِنَّ'' کا اسم ہے جبکہ ''مَنْ يُّشْرِكْ'' سے ''اَلْجَنَّةَ'' تک پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ ''قَدْ خَلَتْ'' کا فاعل ''اَلرُّسُلُ'' ہے جو عاقل کی جمع مکسر ہے' اس لیے واحد مؤنث کا صیغہ بھی جائز ہے۔ ''اُمُّهٗ'' میں ''ہٗ'' کی ضمیر ''اَلْمَسِيْحُ'' کے لیے ہے۔ ''غَيْرَ الْحَقِّ'' حال ہے' اس لیے ''غَيْرَ'' منصوب ہوا ہے۔

ترجمہ:

لَقَدْ كَفَرَ : یقیناً کفر کر چکے	الَّذِيْنَ : وہ لوگ جنہوں نے
قَالُوْٓا : کہا	اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ
هُوَ الْمَسِيْحُ : ہی مسیح ہے	ابْنُ مَرْيَمَ : جو مریم کا بیٹا ہے
وَ : حالانکہ	قَالَ : کہا
الْمَسِيْحُ : مسیح نے	يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ : اے بنی اسرائیل
اعْبُدُوا : تم بندگی کرو	اللّٰهَ : اللہ کی
رَبِّيْ : جو میرا رب ہے	وَرَبَّكُمْ : اور تمہارا رب ہے
اِنَّهٗ : بے شک وہ	مَنْ : جو
يُّشْرِكْ : شرک کرتا ہے	بِاللّٰهِ : اللہ کے ساتھ
فَقَدْ حَرَّمَ : تو حرام کر چکا ہے	اللّٰهُ : اللہ
عَلَيْهِ : اُس پر	الْجَنَّةَ : جنت کو

وَمَاْوٰىهُ : اور اُس کا ٹھکانہ
وَمَا : اور نہیں ہے
مِنْ اَنْصَارٍ : کسی قسم کا کوئی مددگار
الَّذِیْنَ : وہ لوگ جنہوں نے
اِنَّ : کہ
ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ : تین کا تیسرا ہے
مِنْ اِلٰهٍ : کسی قسم کا کوئی الٰہ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ : واحد الٰہ کے
لَّمْ یَنْتَهُوْا : یہ لوگ باز نہ آئے
یَقُوْلُوْنَ : یہ کہتے ہیں
الَّذِیْنَ : ان کو جنہوں نے
مِنْهُمْ : ان میں سے
اَفَلَا : تو کیوں نہیں
اِلَی اللّٰهِ : اللہ کی طرف
وَ : جبکہ
غَفُوْرٌ : بے انتہا معاف کرنے والا ہے
مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ : مریم کے بیٹے مسیحؑ نہیں ہیں
رَسُوْلٌ : ایک رسول
مِنْ قَبْلِهِ : ان سے پہلے
وَاُمُّهٗ : اور ان کی والدہ
كَانَا یَاْكُلٰنِ : وہ دونوں کھاتے تھے
اُنْظُرْ : تو دیکھو
نُبَیِّنُ : ہم واضح کرتے ہیں
الْاٰیٰتِ : نشانیوں کو
اَنّٰی : کہاں سے
قُلْ : آپؐ کہیے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ : اللہ کے علاوہ
لَا یَمْلِكُ : مالک نہیں ہے

النَّارُ : آگ ہے
لِلظّٰلِمِیْنَ : ظلم کرنے والوں کے لیے
لَقَدْ كَفَرَ : بے شک کفر کر چکے
قَالُوْٓا : کہا
اللّٰهَ : اللہ
وَمَا : اور نہیں ہے
اِلَّآ : سوائے
وَاِنْ : اور اگر
عَمَّا : اس سے جو
لَیَمَسَّنَّ : تو لازماً پہنچے گا
كَفَرُوْا : کفر کیا
عَذَابٌ اَلِیْمٌ : ایک دردناک عذاب
یَتُوْبُوْنَ : یہ پلٹتے
وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ : اور معافی مانگتے اُس سے
اللّٰهُ : اللہ
رَّحِیْمٌ : ہر حال میں رحم کرنے والا ہے
اِلَّا : مگر
قَدْ خَلَتْ : گزر چکے ہیں
الرُّسُلُ : بہت سے رسول
صِدِّیْقَةٌ : سچی ہیں
الطَّعَامَ : کھانا
كَیْفَ : کیسے
لَهُمُ : ان کے لیے
ثُمَّ انْظُرْ : پھر دیکھو
یُؤْفَكُوْنَ : یہ لوگ پھیرے جاتے ہیں
اَتَعْبُدُوْنَ : کیا تم عبادت کرتے ہو
مَا : اُس کی جو
لَكُمْ : تمہارے لیے

ضَرًّا : کسی نقصان کا	وَّلَا نَفْعًا : اور نہ ہی کسی نفع کا
وَاللّٰهُ : اور اللہ	هُوَ السَّمِيْعُ : ہی سننے والا ہے
الْعَلِيْمُ : جاننے والا ہے	قُلْ : آپؐ کہیے
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ : اے اہلِ کتاب	لَا تَغْلُوْا : تم لوگ زیادتی مت کرو
فِيْ دِيْنِكُمْ : اپنے دین میں	غَيْرَ الْحَقِّ : ناحق
وَلَا تَتَّبِعُوْۤا : اور پیروی مت کرو	اَهْوَآءَ قَوْمٍ : ایک ایسی قوم کی خواہشات کی
قَدْ ضَلُّوْا : جو بھٹک چکے	مِنْ قَبْلُ : اس سے پہلے
وَاَضَلُّوْا : اور جنہوں نے گمراہ کیا	كَثِيْرًا : بہتوں کو
وَّضَلُّوْا : اور گمراہ ہوئے	عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ : راستے کے بیچ سے

نوٹ ۱: حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ابتدائی پیروکار جو عقائد رکھتے تھے وہ بڑی حد تک اس حقیقت کے مطابق تھے جس کا مشاہدہ انہوں نے خود کیا تھا اور جس کی تعلیم حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اُن کو دی تھی۔ مگر بعد کے عیسائیوں نے ایک طرف ان کی تعظیم میں غلو کر کے اور دوسری طرف ہمسایہ قوموں کے اوہام اور فلسفوں سے متأثر ہو کر ایک بالکل نیا مذہب تیار کر لیا جس کو مسیحؑ کی اصل تعلیمات سے دور کا واسطہ بھی نہ رہا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے چودھویں ایڈیشن میں Jesus Christ کے عنوان پر ایک مسیحی عالم دینیات ریورینڈ چارلس اینڈرسن اسکاٹ کا ایک طویل مضمون شامل ہے۔ اس میں صاحبِ مضمون نے لکھا ہے کہ پہلی تین انجیلوں (متی، مرقس، لوقا) میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے یہ گمان کیا جا سکتا ہو کہ ان انجیلوں کے لکھنے والے یسوع کو انسان کے سوا کچھ اور سمجھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں وہ ایک انسان تھے۔ درحقیقت انؑ کے حاضر و ناظر ہونے کا اگر دعویٰ کیا جائے تو یہ اس پورے تصور کے بالکل خلاف ہو گا جو ہمیں انجیلوں سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر مسیحؑ کو قادرِ مطلق سمجھنے کی گنجائش تو انجیلوں میں اور بھی کم ہے۔ فی الواقع یہ بات ان انجیلوں (یعنی مذکورہ تین انجیلوں) کے تاریخی حیثیت سے معتبر ہونے کی اہم شہادت ہے کہ ان میں ایک طرف مسیح علیہ السلام کے فی الحقیقت انسان ہونے کی شہادت محفوظ ہے اور دوسری طرف ان کے اندر کوئی شہادت اس امر کی موجود نہیں ہے کہ مسیحؑ اپنے آپ کو خدا سمجھتے تھے۔ یہ سینٹ پال تھا جس نے اعلان کیا کہ واقعۂ رفع کے وقت اسی فعلِ رفع کے ذریعہ سے یسوع کو پورے اختیارات کے ساتھ ''ابن اللہ'' کے مرتبہ پر اعلانیہ فائز کیا گیا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے ایک دوسرے مضمون Christianity میں ریورنڈ جارج ولیم ناکس مسیحی کلیسا کے بنیادی عقیدے پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عقیدۂ تثلیث کا فکری سانچہ یونانی ہے اور یہودی تعلیمات اس میں ڈھالی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ہمارے لیے ایک عجیب قسم کا مرکب ہے۔ مذہبی خیالات بائبل کے اور ڈھلے ہوئے ایک اجنبی فلسفے کی صورتوں میں! نیقیا کی کونسل نے اس عقیدے میں جو درج کیا ہے اسے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنی تمام خصوصیات میں بالکل یونانی فکر کا نمونہ ہے۔

اسی سلسلہ میں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے ایک اور مضمون Church History میں لکھا ہے کہ تیسری

صدی عیسوی کے خاتمہ سے پہلے مسیح کو عام طور پر ''کلام'' کا جدی ظہور تو مان لیا گیا تھا تاہم بکثرت عیسائی ایسے تھے جو مسیحؑ کی الوہیت کے قائل نہ تھے۔ چوتھی صدی میں اس مسئلہ پر سخت بحثیں چھڑی ہوئی تھیں جن سے کلیسا کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ آخر کار ۳۲۵ء میں نیقیا کی کونسل نے الوہیت مسیح کو باضابطہ سرکاری طور پر اصل مسیحی عقیدہ قرار دے دیا اور مخصوص الفاظ میں اسے مرتب کر دیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی کچھ مدت تک جھگڑا چلتا رہا لیکن آخری فتح نیقیا ہی کے فیصلے کی ہوئی۔ اس طرح عقیدۂ تثلیث مسیحی مذہب کا ایک جزوِ لاینفک قرار پا گیا۔

نوٹ ۲: ابن حزمؒ وغیرہ کی رائے ہے کہ حضرت اسحاقؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی والدائیں نبیہ تھیں، کیونکہ بی بی سارہ سے فرشتوں نے کلام کیا تھا (ھود:۷۳)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی تھی (القصص:۷) اور بی بی مریم سے بھی فرشتے نے کلام کیا تھا (مریم:۱۹)۔ جبکہ جمہور علماء کی رائے ہے کہ نبوت مردوں میں رہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ﴾ (یوسف:۱۰۹) ''ہم نے پیغام دے کر نہیں بھیجا آپؐ سے پہلے مگر کچھ مردوں ہی کو بستیوں والوں میں سے، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔'' (تفسیر ابن کثیر سے ماخوذ)

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کسی سے صرف فرشتوں کا خطاب کر لینا یا کسی کی طرف اللہ کا وحی بھیج دینا اس کے نبی ہونے کے لیے کافی نہیں ہے۔ نبی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی قوم کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے مامور بھی کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ زیر مطالعہ آیت ۷۵ میں بی بی مریم کو نَبِیّۃ کے بجائے صِدّیقۃ کہا گیا ہے۔

آیات ۷۸ تا ۸۶

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا
عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝
تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا
اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا
الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ
تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ
الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ
الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ
جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

ق س س

قَسَّ يَقُسُّ (ن) قَسًّا :رات میں کسی چیز کی جستجو کرنا۔

قِسِّيْسٌ :رات میں علم کی جستجو کرنے والا نصاریٰ کا عالم پادری۔آیت زیر مطالعہ۔

د م ع

دَمَعَ يَدْمَعُ (ف) دَمْعًا :آنسو جاری ہونا۔

دَمْعٌ (اسم ذات بھی ہے) :آنسو۔آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب :''وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ'' میں ''اِبْنِ'' کی جر بتا رہی ہے کہ یہ فقرہ بھی ''عَلٰى لِسَانِ'' کا مضاف الیہ ہے۔''يَتَنَاهَوْنَ'' باب تفاعل کا مضارع ہے۔''فَعَلُوْهُ'' کی ضمیر مفعولی ''مُنْكَرٍ'' کے لیے ہے۔''هُمْ'' مبتدأ ہے''خٰلِدُوْنَ'' اس کی خبر ہے اور ''فِي الْعَذَابِ'' متعلق خبر مقدم ہے۔''لَوْ'' شرطیہ ہے۔''كَانُوْا'' سے ''اِلَيْهِ'' تک شرط ہے اور ''مَا اتَّخَذُوْا'' جوابِ شرط ہے۔''كَانُوْا'' کا اسم اس میں ''هُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''يُؤْمِنُوْنَ'' اس کی خبر ہے۔''لَتَجِدَنَّ'' کا مفعول اول ''اَشَدَّ'' ہے جبکہ ''اَلْيَهُوْدَ'' اور ''وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا'' مفعول ثانی ہے۔''بِاَنَّ'' کا اسم ''قِسِّيْسِيْنَ'' اور ''رُهْبَانًا'' ہیں اس کی خبر محذوف ہے اور ''مِنْهُمْ'' قائم مقام خبر مقدم ہے۔

ترجمہ:

لُعِنَ :لعنت کی گئی

كَفَرُوْا :کفر کیا

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ :داؤدؑ کی زبان پر (یعنی سے)

ذٰلِكَ :یہ

عَصَوْا :انہوں نے نافرمانی کی

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ :ایک دوسرے کو منع نہیں کیا کرتے تھے

فَعَلُوْهُ :جو انہوں نے کیں

مَا :وہ جو

تَرٰى :تو دیکھے گا

مِنْهُمْ :ان میں سے

الَّذِيْنَ :ان سے جنہوں نے

لَبِئْسَ :تو کتنا برا ہے

الَّذِيْنَ :اُن لوگوں پر جنہوں نے

مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ :بنی اسرائیل میں سے

وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ :اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے

بِمَا :اس سبب سے کہ

وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ:اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے

عَنْ مُّنْكَرٍ :کسی برائی سے

لَبِئْسَ :تو کتنا برا ہے

كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ :وہ کرتے تھے

كَثِيْرًا :اکثر کو

يَتَوَلَّوْنَ :کہ وہ دوستی کرتے ہیں

كَفَرُوْا :کفر کیا

مَا :وہ جو

قَدَّمَتْ : آگے بھیجا
اَنْفُسُهُمْ : ان کے نفسوں نے
سَخِطَ : غصہ کیا
عَلَيْهِمْ : ان پر
هُمْ : وہ لوگ
وَلَوْ : اور اگر
يُؤْمِنُوْنَ : کہ ایمان لاتے
وَالنَّبِيِّ : اور نبیؐ پر
اُنْزِلَ : اُتارا گیا
مَا اتَّخَذُوْهُمْ : تو نہ بناتے ان کو
وَلٰكِنَّ : اور لیکن
مِّنْهُمْ : ان میں سے
لَتَجِدَنَّ : تو لازماً پائے گا
عَدَاوَةً : بلحاظ عداوت کے
اٰمَنُوْا : ایمان لائے
وَالَّذِيْنَ : اور ان کو جنہوں نے
وَلَتَجِدَنَّ : اور تو لازماً پائے گا
مَّوَدَّةً : بلحاظ دوستی کے
اٰمَنُوْا : ایمان لائے
قَالُوْٓا : کہا
نَصٰرٰى : نصرانی ہیں
بِاَنَّ : اس سبب سے کہ
قِسِّيْسِيْنَ : علماء ہیں
وَّاَنَّهُمْ : اور یہ کہ وہ لوگ
وَاِذَا : اور جب
مَآ : اُس کو جو
اِلَى الرَّسُوْلِ : ان رسولؐ کی طرف
اَعْيُنَهُمْ : ان کی آنکھوں کو
مِنَ الدَّمْعِ : آنسو سے

لَهُمْ : ان کے لیے
اَنْ : کہ
اللّٰهُ : اللہ نے
وَفِي الْعَذَابِ : اور عذاب میں
خٰلِدُوْنَ : ہمیشہ رہنے والے ہیں
كَانُوْا : وہ لوگ ہوتے
بِاللّٰهِ : اللہ پر
وَمَآ : اور اُس پر جو
اِلَيْهِ : انؐ کی طرف
اَوْلِيَآءَ : دوست
كَثِيْرًا : اکثر
فٰسِقُوْنَ : نافرمانی کرنے والے ہیں
اَشَدَّ النَّاسِ : لوگوں میں سب سے سخت
لِّلَّذِيْنَ : ان کے لیے جو
الْيَهُوْدَ : یہودیوں کو
اَشْرَكُوْا : شرک کیا
اَقْرَبَهُمْ : ان میں سب سے قریب
لِّلَّذِيْنَ : ان کے لیے جو
الَّذِيْنَ : ان کو جنہوں نے
اِنَّا : کہ ہم
ذٰلِكَ : یہ
مِنْهُمْ : ان میں
وَرُهْبَانًا : اور درویش ہیں
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ : تکبر نہیں کرتے
سَمِعُوْا : وہ سنتے ہیں
اُنْزِلَ : اتارا گیا
تَرٰٓى : تو تُو دیکھتا ہے
تَفِيْضُ : بھر آتی ہیں
مِمَّا : اس سے جو

عَرَفُوْا : انہوں نے پہچانا
يَقُوْلُوْنَ : وہ کہتے ہیں
اٰمَنَّا : ہم ایمان لائے
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ: گواہی دینے والوں کے ساتھ
لَا نُؤْمِنُ : (کہ) ہم ایمان نہ لائیں
وَمَا : اور اُس پر جو
مِنَ الْحَقِّ : حق میں سے
اَنْ : کہ
رَّبُّنَا : ہمارا رب
فَاَثَابَهُمُ : تو بدلے میں دیا ان کو
بِمَا : بسبب اس کے جو
جَنّٰتٍ : ایسے باغات
مِنْ تَحْتِهَا : جن کے نیچے سے
خٰلِدِيْنَ : ہمیشہ رہنے والے ہوتے ہوئے
وَ : اور
جَزٰٓءُ الْمُحْسِنِيْنَ: بلاکم و کاست کام کرنے والوں کا بدلہ ہے
كَفَرُوْا : کفر کیا
بِاٰيٰتِنَآ : ہماری نشانیوں کو
اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ : جہنم والے ہیں

مِنَ الْحَقِّ : حق میں سے
رَبَّنَآ : اے ہمارے رب!
فَاكْتُبْنَا : پس تو لکھ دے ہم کو
وَمَا لَنَا : اور کیا ہے ہم کو
بِاللّٰهِ : اللہ پر
جَآءَنَا : آیا ہمارے پاس
وَنَطْمَعُ : اور ہم امید کرتے ہیں
يُّدْخِلَنَا : داخل کرے گا ہم کو
مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ: صالح لوگوں کے ساتھ
اللّٰهُ : اللہ نے
قَالُوْا : انہوں نے کہا
تَجْرِيْ : بہتی ہیں
الْاَنْهٰرُ : نہریں
فِيْهَا : اس میں
ذٰلِكَ : یہ
وَالَّذِيْنَ : اور جنہوں نے
وَكَذَّبُوْا : اور جھٹلایا
اُولٰٓئِكَ : وہ لوگ

نوٹ۱: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلی برائی بنی اسرائیل میں یہی داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلافِ شرع کوئی کام کرتے دیکھتا تو اسے روکتا۔ لیکن دوسرے روز جب وہ نہ چھوڑتا تو یہ اُس سے کنارہ کشی نہ کرتا اور میل جول باقی رکھتا۔ اس وجہ سے سب میں ہی سنگ دلی آ گئی (ابوداؤد)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یا تو تم بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اس سے دعائیں بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا۔'' (مسند احمد اور ترمذی) ایک اور حدیث میں فرمایا: ''اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرو اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے سے روک دی جائیں۔'' (ابن ماجہ) (منقول از ابن کثیر)

نوٹ۲: آیت زیر مطالعہ میں یہود، مشرکین اور نصاریٰ کے متعلق جو بات کی گئی ہے وہ مطلق نہیں ہے بلکہ تناسب کے لحاظ سے ہے۔ آج بھی صورت حال یہی ہے کہ یہودی اور آج کے مشرک یعنی ہندو، مسلمانوں کا وجود بھی

گوارا نہیں کرتے اور انہیں صفحہ ہستی سے نابود کرنے کے لیے کوشاں ہیں' جبکہ عیسائی بھی مسلمانوں کو مغلوب اور دست نگر بنا کر رکھنے کے لیے تو کوشاں ہیں لیکن اس مخالفت میں وہ اتنے شدید نہیں ہیں۔

آیات ۸۷ تا ۸۹

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ترکیب : ''طَيِّبٰتِ'' مضاف ہے اور ''مَا'' اس کا مضاف الیہ ہے۔ ''كُلُوْا'' کا مفعول ''مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ'' ہے جبکہ ''حَلٰلًا طَيِّبًا'' حال ہے۔ ''يُؤَاخِذُ'' باب مفاعلہ کا مضارع ہے۔ ''كَفَّارَتُهٗ'' کی ضمیر ''عَقَّدْتُّمْ'' کے مصدر ''تَعْقِيْدٌ'' کے لیے ہے ''كِسْوَتُهُمْ'' کی ضمیر ''مَسٰكِيْنَ'' کے لیے ہے۔ ''اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ'' اور ''كِسْوَتُهُمْ'' اور ''تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ'' یہ سب خبریں ہیں' اس لیے ان کے مضاف حالت رفع میں ہیں' جبکہ ان کا مبتدا ''كَفَّارَتُهٗ'' ہے۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ : اے لوگو! جو
لَا تُحَرِّمُوْا : تم لوگ حرام مت کرو
اَحَلَّ : حلال کیا
لَكُمْ : تمہارے لیے
اِنَّ اللّٰهَ : بے شک اللہ
الْمُعْتَدِيْنَ : حد سے بڑھنے والوں کو
مِمَّا : اس میں سے جو
اللّٰهُ : اللہ نے
وَّاتَّقُوا : اور تقویٰ کرو
اَنْتُمْ : تم لوگ
مُؤْمِنُوْنَ : ایمان رکھنے والے ہو
اللّٰهُ : اللہ

اٰمَنُوْا : ایمان لائے
طَيِّبٰتِ مَآ : اس کے پاکیزہ کو جس کو
اللّٰهُ : اللہ نے
وَلَا تَعْتَدُوْا : اور حد سے مت بڑھو
لَا يُحِبُّ : پسند نہیں کرتا
وَكُلُوْا : اور کھاؤ
رَزَقَكُمُ : عطا کیا تم کو
حَلٰلًا طَيِّبًا : پاکیزہ حلال ہوتے ہوئے
اللّٰهَ الَّذِيْٓ : اس اللہ کا
بِهٖ : جس پر
لَا يُؤَاخِذُكُمُ : جواب طلبی نہیں کرے گا تم سے
بِاللَّغْوِ : بغیر سوچی سمجھی بات پر

فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ :تمہاری قسموں میں سے
یُّؤَاخِذُکُمْ :وہ جواب طلبی کرے گا تم سے
عَقَّدْتُّمُ :پختہ کیا تم نے
فَکَفَّارَتُہٗٓ :تو اس کا (پختہ کرنے کا) کفارہ
مِنْ اَوْسَطِ مَا :اس کے اوسط سے جو
اَھْلِیْکُمْ :اپنے گھر والوں کو
کِسْوَتُھُمْ :ان کو پہنانا ہے
تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ :کسی گردن کا آزاد کرنا ہے
لَّمْ یَجِدْ :نہ پائے
ذٰلِکَ :یہ
اِذَا :جب بھی
وَاحْفَظُوْٓا :اور حفاظت کرو
کَذٰلِکَ :اس طرح
اللّٰہُ :اللہ
اٰیٰتِہٖ :اپنی آیات کو
تَشْکُرُوْنَ :حق مانو

وَلٰکِنْ :اور لیکن
بِمَا :اس پر جو
الْاَیْمَانَ :قسموں کو
اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیْنَ :دس مسکینوں کو کھلانا ہے
تُطْعِمُوْنَ :تم کھلاتے ہو
اَوْ : یا
اَوْ :یا
فَمَنْ :پھر جو
فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ : تو تین دن کا روزہ رکھنا ہے
کَفَّارَۃُ اَیْمَانِکُمْ :تمہاری قسموں کا کفارہ ہے
حَلَفْتُمْ :تم قسمیں کھاؤ
اَیْمَانَکُمْ :اپنی قسموں کی
یُبَیِّنُ :واضح کرتا ہے
لَکُمْ :تمہارے لیے
لَعَلَّکُمْ :شاید کہ تم لوگ

نوٹ ۱: آیت ۸۷ کے دو مفہوم ہیں۔ ایک یہ کہ خود حلال و حرام کے مختار نہ بنو۔ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا۔ دوسرے یہ کہ عیسائی راہبوں' ہندو جوگیوں' بدھ مت کے بھکشوؤں اور اشراقی متصوفین کی طرح قطع لذات کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ مذہبی رجحان کے نیک مزاج لوگوں میں ہمیشہ یہ میلان پایا جاتا رہا ہے کہ نفس و جسم کے حقوق ادا کرنے کو وہ روحانی ترقی میں مانع سمجھتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اپنے نفس کو لذتوں سے محروم کرنا ایک نیکی ہے اور خدا کا تقرب اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی بعض میں یہ سوچ پائی جاتی تھی۔ چنانچہ اس سے ممانعت کی متعدد احادیث ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: ''یہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو اور اچھے کھانے کو اور خوشبو اور نیند اور دنیا کی لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے! میں نے تمہیں یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ تم راہب اور پادری بن جاؤ۔ رہبانیت کے سارے فائدے جہاد سے حاصل ہوتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن)

نوٹ ۲: قسم کھانے کی چند صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے۔ اس کو ''یمینِ

غموس'' کہتے ہیں۔ یہ سخت گناہ کبیرہ ہے اور اس کا کفارہ نہیں ہے۔ حقیقی توبہ سے معافی کی اُمید ہے۔ دوسری یہ کہ بلاقصد زبان سے لفظ قسم نکل جائے یا کسی گزشتہ واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے جبکہ دراصل وہ غلط ہو۔ اس کو ''یمین لغو'' کہتے ہیں۔ اس پر گناہ نہیں ہے' اسی لیے کفارہ بھی نہیں ہے۔ تیسری یہ کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے۔ اس کو ''یمین منعقدہ'' کہتے ہیں۔ اس قسم کو توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ (معارف القرآن)

آیات ۹۰ تا ۹۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ر ج س

رَجِسَ یَرْجَسُ (س) وَرَجُسَ یَرْجُسُ (ک) رَجَاسَةً : قبیح ہونا' قبیح کام کرنا۔

رِجْسٌ (اسم ذات) : گندگی' نجاست۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ''اَلْخَمْرُ'' سے ''وَالْاَزْلَامُ'' تک چاروں مبتدأ ہیں۔ ''رِجْسٌ'' ان کی خبر جمع کے بجائے واحد لاکر اسے ہر مبتدأ پر عطف کیا گیا ہے۔ یعنی اصل بات اس طرح تھی: ''اِنَّمَا الْخَمْرُ رِجْسٌ وَالْمَيْسِرُ رِجْسٌ وَالْاَنْصَابُ رِجْسٌ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ''۔ آیت میں خبر کو جمع کے بجائے واحد لاکر ان چار جملوں کے تاکیدی مفہوم کو ایک جملے میں سمو دیا گیا ہے۔ اجتناب کے حکم میں اسی تاکیدی مفہوم کو برقرار رکھنے کے لیے ضمیر مفعولی بھی واحد آئی ہے۔ ''وَيَصُدَّ'' کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ ''اَنْ يُّوْقِعَ'' کے ''اَنْ'' پر عطف ہے۔ ''وَاحْذَرُوْا'' کا مفعول محذوف ہے۔ اس وجہ سے اس حکم کا مفہوم وسیع ہو کر اطاعت کے پورے دائرے پر محیط ہو گیا ہے۔

ترجمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ : اے لوگو! جو	اٰمَنُوْٓا : ایمان لائے
اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	الْخَمْرُ : شراب
وَالْمَيْسِرُ : اور جوا	وَالْاَنْصَابُ : اور استھان
وَالْاَزْلَامُ : اور فال کے تیر	رِجْسٌ : (ہر ایک) نجاست ہے

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ :شیطان کے عمل میں سے
لَعَلَّكُمْ : شاید کہ تم لوگ
اِنَّمَا : کچھ نہیں سوائے اس کے کہ
الشَّيْطٰنُ :شیطان
يُّوْقِعَ : وہ ڈال دے
الْعَدَاوَةَ :عداوت
فِي الْخَمْرِ :شراب سے
وَيَصُدَّكُمْ :اور (یہ کہ) وہ روکے تم کو
وَعَنِ الصَّلٰوةِ :اور نماز سے
اَنْتُمْ :تم لوگ
وَاَطِيْعُوا :اور تم اطاعت کرو
وَاَطِيْعُوا :اور اطاعت کرو
وَاحْذَرُوْا :اور محتاط رہو
تَوَلَّيْتُمْ :تم منہ موڑتے ہو
اَنَّمَا : کہ کچھ نہیں مگر
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ :واضح طور پر پہنچانا ہے
عَلَى الَّذِيْنَ :ان پر جو
وَعَمِلُوا :اور عمل کیے
جُنَاحٌ :کوئی گناہ
طَعِمُوْٓا :کھایا پیا
اتَّقَوْا :انہوں نے تقویٰ کیا
وَعَمِلُوا :اور عمل کیے
ثُمَّ :پھر
وَّاٰمَنُوْا : اور (مزید) ایمان لائے (یعنی پختہ کیا)
اتَّقَوْا :(مزید) تقویٰ کیا
وَاللّٰهُ :اور اللہ
الْمُحْسِنِيْنَ : بلاکم و کاست کام کرنے والوں کو

فَاجْتَنِبُوْهُ :پس تم دور رہو اس سے (یعنی ہر ایک سے)
تُفْلِحُوْنَ :فلاح پاؤ
يُرِيْدُ :چاہتا ہے
اَنْ :کہ
بَيْنَكُمُ :تمہارے درمیان
وَالْبَغْضَآءَ :اور بغض
وَالْمَيْسِرِ :اور جوئے سے
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ :اللہ کی یاد سے
فَهَلْ :تو کیا
مُّنْتَهُوْنَ :باز آنے والے ہو
اللّٰهَ :اللہ کی
الرَّسُوْلَ :اِن رسول کی
فَاِنْ :پھر اگر
فَاعْلَمُوْٓا :تو جان لو
عَلٰى رَسُوْلِنَا :ہمارے رسول پر
لَيْسَ :نہیں ہے
اٰمَنُوْا :ایمان لائے
الصّٰلِحٰتِ : نیک
فِيْمَا :اس میں جو
اِذَا مَا :جبکہ وہ جو
وَّاٰمَنُوْا :اور ایمان لائے
الصّٰلِحٰتِ : نیک
اتَّقَوْا :انہوں نے (مزید) تقویٰ کیا
ثُمَّ :پھر
وَّاَحْسَنُوْا:اور بلاکم وکاست کام کیا
يُحِبُّ :پسند کرتا ہے

نوٹ ۱: عربی میں کھانے کے لیے ''اَکَلَ'' اور پینے کے لیے ''شَرِبَ'' کے الفاظ ہیں۔ جبکہ ''طَعِمَ'' کا اصل مفہوم ہے ''چکھنا''۔ اب کسی چیز کو کھا کر بھی چکھا جا سکتا ہے اور پی کر بھی۔ اس طرح ''طَعِمَ'' میں کھانے اور پینے دونوں کا مفہوم شامل ہو جاتا ہے۔ مثلاً البقرۃ: ۲۴۹ میں یہ لفظ پینے کے مفہوم میں آیا ہے۔ زیر مطالعہ آیت ۹۳ میں یہ لفظ اپنے جامع مفہوم میں آیا ہے جس کو ہم نے ترجمے میں ظاہر کیا ہے۔

نوٹ ۲: شراب اور جوئے کے متعلق سب سے پہلے البقرۃ: ۲۱۹ میں بتایا جا چکا تھا کہ ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔ اس کے بعد النساء: ۴۳ میں نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا۔ پھر زیر مطالعہ آیت ۹۰ میں ان کو مطلق حرام قرار دے دیا گیا۔ اس حکم کے آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ایک خطبہ میں لوگوں کو خبردار کیا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے' بعید نہیں کہ اس کی قطعی حرمت کا حکم آ جائے۔ لہٰذا جس کے پاس شراب موجود ہو وہ اسے فروخت کر دے۔ اس کے کچھ مدت بعد یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے اعلان کرایا کہ اب جس کے پاس شراب ہے وہ نہ تو اسے پی سکتا ہے اور نہ ہی فروخت کر سکتا ہے' بلکہ وہ اسے ضائع کر دے۔ چنانچہ اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب بہا دی گئی۔ ایک صاحب نے باصرار دریافت کیا کہ دوا کے طور پر استعمال کرنے کی تو اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں' وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ آپ ﷺ نے اس دسترخوان پر کھانا کھانے سے بھی منع فرمایا جس پر شراب پی جا رہی ہو۔ (تفہیم القرآن)

اب اس کے بعد بھی کوئی دانشور اگر اس زعم میں مبتلا ہو جائے کہ وہ قرآن کو نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سمجھتا ہے اور دعویٰ کرے کہ قرآن مجید میں کہیں بھی شراب کو حرام قرار نہیں دیا گیا' تو پھر ع ''کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!'' اکثر دانشور بڑے مہذب اور انتہائی نفاست پسند ہوتے ہیں۔ انسانی عمل کی نجاستوں کے ذکر سے بھی ان کو گھن آتی ہے۔ فقہ کی کتابوں میں ایسی چیزوں کے تذکرے پر یہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں' جبکہ شیطان کے عمل کی نجاستوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! لگتا ہے کہ یہ لوگ اپنی وحشت کو دانشوری سمجھ بیٹھے ہیں' کیونکہ :ؔ

وحشت میں ہر نقشہ اُلٹا نظر آتا ہے مجنوں نظر آتی ہے' لیلیٰ نظر آتا ہے!

آیات ۹۴ تا ۹۶

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗٓ اَیْدِیْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّیَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَیْكُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

رمح

رَمَحَ یَرْمَحُ (ف) رَمْحًا : نیزہ مارنا۔

رُمْحٌ ج رِمَاحٌ (اسم ذات) : نیزہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب : ''تَنَالُ'' مضارع کا واحد مؤنث کا صیغہ ہے اور اس کی ضمیر مفعولی ''اَلصَّیْدِ'' کے لیے ہے' جبکہ ''اَیْدِیْکُمْ'' اور ''رِمَاحُکُمْ'' اس کے فاعل ہیں۔ ''فَجَزَاءٌ'' مبتدأ نکرہ ہے' اس کی خبر ''وَاجِبٌ'' محذوف ہے۔ ''مِنَ النَّعَمِ'' کا ''مِنْ'' بیانیہ ہے اور یہ ''مَا قَتَلَ'' کا نہیں بلکہ ''جَزَاءٌ'' کا بیان یعنی وضاحت ہے۔ ''مِنْ تبعیضیہ'' بھی ہوسکتا ہے۔ تب ''جَزَاءٌ'' کی وضاحت ''یَحْکُمُ بِهٖ.....'' ہوگی۔ ''یَحْکُمُ'' کا فاعل ''ذَوَا عَدْلٍ'' ہے۔ ''هَدْیًا'' حال ہے۔ ''بٰلِغَ'' کی نصب بتا رہی ہے کہ یہ بھی حال ہے۔ ''کَفَّارَةٌ'' مبتدأ نکرہ ہے۔ اس کی بھی خبر محذوف ہے اور ''طَعَامُ مَسٰکِیْنَ'' مبتدأ کی وضاحت ہے۔ اسی طرح ''عَدْلُ ذٰلِكَ'' مبتدأ کی خبر محذوف ہے جبکہ ''صِیَامًا'' مبتدأ کی تمیز ہے۔

ترجمہ:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ : اے لوگو! جو	اٰمَنُوْا : ایمان لائے
لَیَبْلُوَنَّکُمُ : لازماً آزمائے گا تم لوگوں کو	اللّٰهُ : اللہ
بِشَیْءٍ : کسی چیز سے	مِّنَ الصَّیْدِ : شکار میں سے
تَنَالُهٗٓ : پہنچیں گے جس کو	اَیْدِیْکُمْ : تمہارے ہاتھ
وَرِمَاحُکُمْ : اور تمہارے نیزے	لِیَعْلَمَ : تاکہ جان لے
اللّٰهُ : اللہ	مَنْ : کون
یَّخَافُهٗ : ڈرتا ہے اُس سے	بِالْغَیْبِ : بن دیکھے
فَمَنِ : پھر جو	اعْتَدٰی : زیادتی کرے گا
بَعْدَ ذٰلِكَ : اس کے بعد	فَلَهٗ : تو اُس کے لیے
عَذَابٌ اَلِیْمٌ : ایک دردناک عذاب ہے	یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ : اے لوگو! جو
اٰمَنُوْا : ایمان لائے	لَا تَقْتُلُوا : تم لوگ قتل مت کرو
الصَّیْدَ : شکار کو	وَ : اس حال میں کہ
اَنْتُمْ : تم لوگ	حُرُمٌ : احرام میں ہو
وَمَنْ : اور جو	قَتَلَهٗ : قتل کرے گا اس کو
مِنْکُمْ : تم میں سے	مُّتَعَمِّدًا : جانتے بوجھتے ہوئے
فَجَزَآءٌ : تو بدلہ (واجب) ہے	مِّثْلُ مَا : اس کے جیسا جو
قَتَلَ : اُس نے قتل کیا	مِنَ النَّعَمِ : مویشی میں سے

يَحْكُمُ : فیصلہ کریں
ذَوَا عَدْلٍ : دوانصاف والے
هَدْيًا: ہدیہ ہوتے ہوئے
اَوْ : یا
طَعَامُ مَسٰكِيْنَ : مسکینوں کا کھانا
عَدْلُ ذٰلِكَ : اس کے برابر
لِّيَذُوْقَ : تاکہ وہ چکھے
عَفَا : درگزر کیا
عَمَّا : اس سے جو
وَمَنْ : اور جو
فَيَنْتَقِمُ : تو انتقام لے گا
مِنْهُ : اس سے
عَزِيْزٌ : بالادست ہے
اُحِلَّ : حلال کیا گیا
صَيْدُ الْبَحْرِ : پانی کا شکار
مَتَاعًا : سامان ہوتے ہوئے
وَلِلسَّيَّارَةِ : اور قافلے والوں کے لیے
عَلَيْكُمْ : تم لوگوں پر
مَا دُمْتُمْ : جب تک تم لوگ رہو
وَاتَّقُوا : اور تقویٰ (اختیار) کرو
اِلَيْهِ : جس کی طرف

بِهٖ : جس کا
مِّنْكُمْ : تم میں سے
بٰلِغَ الْكَعْبَةِ : کعبہ کو پہنچنے والا ہوتے ہوئے
كَفَّارَةٌ : کفارہ (واجب) ہے
اَوْ : یا
صِيَامًا : روزہ رکھنا ہے
وَبَالَ اَمْرِهٖ : اپنے کام کا وبال
اللّٰهُ : اللہ نے
سَلَفَ : پہلے گزرا
عَادَ : دوبارہ کرے گا
اللّٰهُ : اللہ
وَاللّٰهُ : اور اللہ
ذُو انْتِقَامٍ : انتقام والا ہے
لَكُمْ : تمہارے لیے
وَطَعَامُهٗ : اور اس کا کھانا
لَّكُمْ : تمہارے لیے
وَحُرِّمَ : اور حرام کیا گیا
صَيْدُ الْبَرِّ : خشکی کا شکار
حُرُمًا : احرام میں
اللّٰهَ الَّذِيْٓ : اُس اللہ کا
تُحْشَرُوْنَ : تم جمع کیے جاؤ گے

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت، اہمیت ولزوم اور مراحل و مدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

انبیاء اور علمِ غیب کی حقیقت

مدرّس: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :

((كَانَتِ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا، جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا، فَقَالَتْ لِصَاحِبَتِهَا إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ، وَقَالَتِ الْأُخْرٰى إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ،فَتَحَاكَمَتَا إِلٰى دَاوٗدَ عليه السلام فَقَضٰى بِهِ لِلْكُبْرٰى، فَخَرَجَتَا عَلٰى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ عَلَيْهِمَا السَّلَام فَأَخْبَرَتَاهُ، فَقَالَ ائْتُوْنِیْ بِالسِّكِّيْنِ أَشُقُّهُ بَيْنَهُمَا، فَقَالَتِ الصُّغْرٰى لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ هُوَ ابْنُهَا، فَقَضٰى بِهِ لِلصُّغْرٰى))(۱)

ابوالیمان' شعیب' ابوالزناد' عبدالرحمٰن' حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دوعورتیں تھیں جن کے ساتھ اُن کے بچے بھی تھے۔ایک بھیڑیا آیا اوران میں سے ایک کے بچے کواٹھا کر لے گیا۔اُس نے اپنے ساتھ والی سے کہا کہ وہ تیرے بچے کو لے گیا ہے' اور دوسری نے کہا کہ وہ تیرے بچے کو لے گیا ہے۔دونوں اپنا مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے کر آئیں تو انہوں نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔پھر دونوں نکل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئیں اور دونوں نے پورا واقعہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ چھری لاؤ میں اس بچے کو دونوں کے درمیان تقسیم کر دوں۔چھوٹی نے کہا کہ اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کریں' وہ اس کا بیٹا ہے (آپ اسے دے دیں)۔سلیمان علیہ السلام نے اس چھوٹی کے حق میں فیصلہ دے دیا (کہ اس عورت کی مامتا نے معاملہ صاف کر دیا تھا)۔''

اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ ؓ ہیں اوران کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا حافظہ بہت کمزور تھا۔کوئی چیز یاد نہیں رہتی تھی۔ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعا دی۔پھر کیا تھا کہ جو بات سنتے وہ ان کے حافظے میں محفوظ ہو جاتی اور وہ اسے کبھی نہ بھولتے' حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی بات وہ پورے اعتماد کے ساتھ بیان کر دیتے اور اُن کو بھولنے کا کبھی وہم تک نہ ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی مرویات تمام راویوں سے زیادہ ہیں۔

(۱) صحیح البخاری' کتاب الفرائض' باب اذا ادعت المرأة ابنا۔وصحیح مسلم' کتاب الاقضیة' باب بیان اختلاف المجتهدین۔

زیر درس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد کی دو عورتوں کا واقعہ بیان کیا ہے کہ دونوں عورتوں کے پاس ایک ایک بچہ تھا۔ انہوں نے اپنے بچوں کو قریب ہی چھوڑا اور خود کام میں لگ گئیں۔ اتنے میں بھیڑیا آیا اور وہ ایک بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ ہر ایک عورت کہتی تھی کہ بھیڑیا دوسری عورت کا بچہ لے گیا ہے اور اس کا بچہ صحیح سلامت ہے۔ دونوں عورتیں یہ قضیہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئیں۔ چونکہ کسی کے پاس موقع کا گواہ موجود نہ تھا' لہٰذا حضرت داؤدؑ کو اُن کے بیانات سن کر فیصلہ کرنا پڑا۔ چنانچہ آپؑ نے بڑی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ چھوٹی کو یہ فیصلہ قبول نہ ہوا' لہٰذا اس نے بڑی کو کہا کہ ہم حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس چلتے ہیں۔ بڑی کو یہ زعم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنے باپ کے فیصلے ہی کی تصویب کریں گے' چنانچہ وہ راضی ہوگئی۔ دونوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئیں اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ چونکہ ہر ایک عورت بچے کی دعوے دار تھی اور کوئی گواہ نہ تھا لہٰذا فیصلہ دشوار ہوا۔ جب حضرت سلیمانؑ کسی نتیجے پر نہ پہنچے تو انہوں نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے فرمایا: ایک چھری لے کر آؤ' میں اس بچے کو دو حصوں میں کاٹ دیتا ہوں اور ہر ایک کو ایک ایک حصہ دے دیتا ہوں۔ یہ سن کر چھوٹی بول اٹھی کہ حضرت! بچے کو کاٹ کر دو حصے نہ کیجیے' بلکہ یہ بچہ بڑی ہی کو دے دیجیے۔ آپؑ سمجھ گئے کہ ماں کی ممتا اس کو روک رہی ہے کہ بچے کے ٹکڑے کیے جائیں۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ چھوٹی کے حوالہ کر دیا۔

اس واقعہ سے دو بڑی اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں' ایک یہ کہ اجتہادی خطا ہر مجتہد سے ہوسکتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مجتہد کا اجتہاد صائب ہوا تو اسے دو اجر ملیں گے اور اگر اس کا اجتہاد درست نہ ہوا تو پھر بھی وہ ایک اجر کا مستحق ہوگا''۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی مجتہد کبھی فیصلہ نہ کرتا کہ مبادا اس کا فیصلہ غلط ہو اور وہ سزا کا مستوجب ٹھہرے۔ جنگ بدر میں قیدیوں سے فدیہ لے کر آزاد کرنے کا فیصلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مشورے سے ہوا اور خود محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رائے بھی یہی تھی' مگر اللہ تعالیٰ کو یہ فیصلہ پسند نہ ہوا اور اس کا ذکر قرآن میں آ گیا۔ معلوم ہوا کہ کسی بڑے سے بڑے کے اجتہاد میں بھی غلطی کا امکان ہوسکتا ہے۔ اگر پیغمبر کا اجتہاد کسی معاملے میں صائب نہ ہو تو فوراً اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے' کیونکہ پیغمبر کا اُسوہ لوگوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک ہی معاملے میں دو منصفوں کا فیصلہ مختلف بلکہ متضاد ہوسکتا ہے' جیسا کہ اس قضیے میں ہوا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن دو اشخاص کے مابین جھگڑا ہوتا ہے وہ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ایک ان میں سے چرب زبان ہوتا ہے تو وہ اپنے غلط موقف کو بھی اپنی چرب زبانی کی وجہ سے صحیح ثابت کر لیتا ہے' مگر دوسرا شخص اپنی سادگی اور بھول پن کی وجہ سے اپنے صحیح موقف کو بھی صحیح ثابت نہیں کر سکتا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ کوئی آدمی مجھ سے فیصلہ کروا کے خوش نہ ہو جائے کہ میں نے پیغمبرؐ سے فیصلہ کروالیا ہے' بلکہ ہوسکتا ہے کہ اُس نے چرب زبانی کی بنا پر مجھ سے غیر حقیقی فیصلہ کروالیا ہو۔

دوسری اہم بات اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ نبی غیب دان نہیں ہوتے۔ غیب دان صرف اللہ تعالیٰ ہے' جو لاشریک ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام غیب کی وہی باتیں جانتے ہیں جن کی خبر انہیں اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ انبیاء کو غیب کی وہی خبریں بتاتے ہیں جو اُن کے لیے مناسب اور ضروری ہوتی ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعریف میں غلو کرتے ہوئے انہیں غیب دان کہنا نہ صرف غلط ہے بلکہ ان کی شان میں گستاخی کرنے کے مترادف ہے۔

اگر حضرت داؤدؑ غیب دان ہوتے تو فوراً صحیح فیصلہ فرما دیتے۔ اسی طرح حضرت سلیمانؑ نے بھی جو فیصلہ دیا وہ غیب دانی کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اپنی ذہانت کو استعمال کر کے دیا تھا۔

بعض عقیدت مند رسول اللہ ﷺ کو ماکان وما یکون کا علم رکھنے والا مانتے ہیں' حالانکہ خود قرآن مجید میں ہے کہ غیب کا علم اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جبکہ انبیاء کرامؑ غیب کی صرف وہی باتیں جانتے ہیں جو اللہ ان کو وحی کے ذریعے بتاتا ہے۔ عہد نبویؐ کا مشہور واقعہ ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے اپنے مجموعہ حدیث میں نقل کیا ہے کہ چند لوگ نبی آخر الزماں ﷺ کے پاس آئے اور بتایا کہ ہم لوگ مسلمان ہو گئے ہیں' ہمارے ساتھ کچھ عالم اور قاری بھیج دیجیے جو ہمیں قرآن اور سنت سکھائیں۔ آپؐ نے ستّر صحابہ کرامؓ کو اُن کے ساتھ بھیج دیا۔ ابھی وہ لوگ منزل پر نہیں پہنچے تھے کہ انہیں شہید کر دیا گیا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب مان لیا جائے تو گویا آپؐ نے ان ستّر صحابہ کو جانتے بوجھتے موت کے منہ میں دھکیل دیا' معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! یہ وہ وقت تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمہ تن اس جِدّوجُہد میں تھے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام میں داخل ہوں' چہ جائیکہ آپؐ بڑی تعداد میں سرفروش علماء اور قراء کو ضائع کر دیں۔ صحابہ کی اس ناگہانی شہادت پر رسول اللہ ﷺ بہت دنوں تک افسردہ رہے۔

ہاں یہ ضرور ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے غیب کی خبریں بتائیں۔ مثلاً دس صحابہ کرامؓ کو آپؐ نے نام بنام جنت کی بشارت دی۔ آپؐ نے فرمایا: میں نہیں جانتا قیامت کب آئے گی' مگر آپؐ نے قیامت کی علامات بتائیں (بحوالہ حدیث جبریل)۔ روم اور ایران کی لڑائی ہوئی تو ایرانی غالب آئے۔ آپ ﷺ نے خبر دی کہ چند سال بعد رومی فتح یاب ہوں گے۔ (بحوالہ سورۃ الروم) یہ غیب کی خبر تھی اور ایسا ہی ہوا۔ گویا غیب کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں' وہ جس کو چاہتا ہے غیب کی خبر بتا دیتا ہے۔ عالم الغیب فقط وہی ہے۔ سورۃ الانعام میں فرمایا گیا:

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۹﴾ (الانعام)

''اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا' اور اُسے خشکی اور سمندروں کی سب چیزوں کا علم ہے' اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں مگر ایک کتابِ روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو واقعہ بیان فرمایا یہ حضرات داؤد اور سلیمانؑ کے عہد کا تھا' یعنی آپ ﷺ کے عہد سے ہزاروں سال پہلے کا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ غیب کی خبر آپ ﷺ کو بتائی' حالانکہ اس واقعے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کی آیات کے علاوہ بھی وحی آتی تھی' اسے ہی ''وحی غیر متلو'' کہتے ہیں' جس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

قرآن کا فلسفۂ اَخلاق: اہمیت اور تفہیم

شاہ اجمل فاروق ندوی ☆

معاشرتی علوم میں اَخلاقیات کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے' لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اردو زبان میں فلسفۂ اَخلاق کی تفہیم کے لیے علمی کوششیں بہت کم ہوئیں۔ شاید اس کی ایک وجہ اَخلاق کا وہ محدود تصور ہے جو ہم نے برِصغیر میں رائج اردو زبان سے سمجھا ہے۔ مغرب کی اندھی غلامی بھی اس کا ایک اہم سبب ہوسکتی ہے' جس میں اخلاق کو چند عادات و اَطوار تک محدود کردیا گیا ہے' حالاں کہ اخلاق ایک وسیع الجہات لفظ ہے۔ اس کا تعلق روح سے بھی ہے اور جسم سے بھی' ظاہر سے بھی ہے اور باطن سے بھی' انسان کے داخلی معاملات سے بھی ہے اور سیاسی و سماجی امور سے بھی۔ اس لحاظ سے اس کی علمی تشریح بہت ضروری ہے' خاص طور پر عہد حاضر میں' جب کہ اسلام اور مسلمانوں کو بدتہذیبی' دہشت گردی' حیوانیت اور بدسلیقگی سے جوڑ کر پیش کیا جارہا ہے۔ یہ کام میڈیا کی سطح پر بھی ہورہا ہے اور نصابِ تعلیم کی سطح پر بھی۔ یعنی نئی نسل کو بھی یہ غیر حقیقی باتیں سمجھائی جارہی ہیں اور بڑوں کے ذہنوں میں بھی بٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس لیے عہدِ حاضر میں فلسفۂ اَخلاق پر بھرپور اور متنوّع علمی کام کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اس موضوع پر تفصیل سے لکھا جائے۔ تاریخ انسانی کے بڑے مصلحین' حکماء و فلاسفہ کے فلسفۂ اَخلاق کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے بعد اسلام کے فلسفۂ اخلاق کا جائزہ لے کر اس کی افضلیت' ابدیت اور فطرتِ انسانی سے قریب تر ہونے کو ثابت کیا جائے۔ یہاں اس تفصیل کا تو موقع نہیں' البتہ اسلام کے فلسفۂ اَخلاق اور اس کی تفہیم کے طریقۂ کار کے سلسلے میں چند بنیادی باتیں پیش کی جارہی ہیں۔

ماخذ

فلسفۂ اخلاق پر گفتگو کرتے ہوئے سب سے پہلی بحث ماخذ و مصدر کی آتی ہے۔ یعنی اخلاقیات کا ماخذ کیا ہے؟ اُصولِ اَخلاق کہاں سے آئے ہیں؟ کس نے وضع کیے ہیں؟ اس سلسلے میں مختلف لوگوں کی مختلف آراء ہیں۔ کوئی بادشاہِ وقت کو ان اُصولوں کے بنانے کا حق دیتا ہے تو کوئی مذہبی رہنماؤں' پادریوں' حاخاموں یا پنڈتوں کو۔ ان لوگوں کو یہ حق اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان کا حکم خدائی حکم ہی سمجھا جاتا ہے۔ یعنی نام تو خدا کا' لیکن حکم بندوں کا۔ اس کے برعکس موجودہ دور میں علمی طور پر خواہ کچھ بھی لکھا جارہا ہو' عملی طور پر پوری دنیا میں مغربی معاشرے کو اصولِ اَخلاق کا خالق سمجھا جارہا ہے۔

☆ ریسرچ اسکالر شعبہ عربی' مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی' حیدرآباد' انڈیا afnadwi@gmail.com

ان تمام نظریات کے مقابلے میں قرآن کریم کا فلسفۂ اخلاق ہے' جو بتاتا ہے کہ اخلاق کوئی عارضی یا وقتی چیز نہیں ہے' جس کو کوئی عارضی مخلوق وضع کرے۔ یہ ایک ابدی وصف ہے' جو انسان میں ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہنا چاہیے۔ جب یہ ایک ابدی وصف قرار پایا تو یہ بھی طے ہو گیا کہ اس کا وضع کرنے والا بھی وہ ہو' جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہنے والا ہو' جو انسان کے مزاج اور فطرت سے اچھی طرح واقف ہو۔ یعنی اسلام کی نظر میں اصولِ اخلاق کا واحد ماخذ و مصدر اَحکامِ الٰہی ہیں۔ یہ صرف ربّ العالمین کا حق ہے کہ وہ انسان کے لیے اخلاقیات کے اصول بنائے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ یہ اُسی کی ذاتِ عالیہ کو زیب دیتا ہے کہ وہ انسانوں کو سکھائے کہ انسانوں کا آپس میں کیا رویہ ہونا چاہیے۔ چناں چہ سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے:

''بہر حال دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں' جو اخلاق کا ماخذ خدا کے حکم کے سوا کسی اور شے کو تسلیم کرتا ہو۔ لیکن اسلام اس کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ خدا نے اپنے ان احکام کو وحی کے الفاظ میں بیان بھی کیا ہے اور اپنے بندوں کی فطرت میں ودیعت بھی کر رکھا ہے' تاکہ فطرت اگر کسی سبب سے خاموش رہے تو احکامِ الٰہی کی آواز اس کو پکار کر ہشیار کر دے۔ فلسفیانہ کاوشوں اور موشگافیوں کو چھوڑ کر عملی حیثیت سے غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ نظریے باہم کسی قدر مخالف ہونے کے باوجود باہم اس قدر متضاد نہیں کہ وہ ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں۔ ہو سکتا ہے ہمارے اخلاق کا ماخذ خدا کا حکم ہونے کے ساتھ اس کے تائیدی ماخذ اور محرکات' ضمیر' فطرت' وجدان اور عقل سب ہوں۔ اسی طرح معیارِ اَخلاق کے اختلافات میں بھی توافق ممکن ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انسان بغیر کسی ذاتی غرض و غایت کو خیال میں لائے ہوئے محض اپنی فطرت کے اصرار یا ضمیر کی پکار سے مجبور ہو کر ایک کام کو انجام دے یا اپنا فرض سمجھ کر اس کو پورا کرے' یا اس کے ساتھ کسی مصلحتِ عامہ کی افادی حیثیت بھی اس میں ملحوظ ہو اور وہ روحانی تکمیل کا بھی ذریعہ ہو۔ اسلام کے اخلاقی فلسفے میں یہ سب جہتیں ایک کام میں مجتمع ہو سکتی ہیں''۔ (سیرت النبی ﷺ' ج ۶' ص ۲۶)

مقصد

دوسری بحث ان اصول کے مقاصد کی ہے کہ یہ اصول کیوں بنائے گئے ہیں۔ آپ قدیم فلاسفہ جیسے فیثا غورث' زرتشت' سقراط' مانی' افلاطون' ارسطو یا ہندوستان میں پائے جانے والے مذاہب کے بانیان جیسے گوتم بدھ' مہاویر جین اور گرونانک کے اصولِ اَخلاق پڑھ جایئے۔ دو چیزیں سب میں یکساں ملیں گی۔ پہلی چیز فلسفۂ اخلاق کی محدودیت اور دوسری اَخلاق کے مقاصد۔ تقریباً سبھی نے اچھے اخلاق کی تعلیم دی' لیکن سب کے نزدیک اخلاق ایک انتہائی محدود چیز ہے' جس کا تعلق چند عادات و اطوار سے ہے۔ مثال کے طور پر دوسروں کا کو تکلیف نہ پہنچانا' چوری' ڈاکہ زنی سے بچنا' حرام مال نہ کھانا' غریبوں اور مسکینوں پر ظلم نہ کرنا وغیرہ۔ اسی طرح کی چند چیزیں ہیں جن پر تمام مذاہب یا فلاسفہ توجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح ان سب نے اخلاقیات کے مقصد کو بھی بہت محدود کر دیا ہے۔ سب کا کہنا یہ ہے کہ اچھے اخلاق انسان کی شانتی یا قلبی سکون کے لیے ضروری ہیں' یا یہ کہ اچھے اَخلاق اگلے جنموں میں خیر کا باعث ہوں گے۔

اس کے برعکس قرآن کا فلسفۂ اَخلاق ہے' جس کی نظر میں اخلاقیات کا مقصد رب کی رضا کا حصول ہے۔

یہاں سب کچھ اپنے رب کو خوش کرنے کے لیے کیا جائے گا۔ یہ مقصد نہ رہا تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ اسلام کا ماننا ہے کہ قلبی سکون بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں ہے' بل کہ اس کو مقصد بنانا انسان کی توہین ہے۔ انسان عظیم ترین مخلوق ہے۔ اس کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ہر کام بھی عظیم ہو اور اس کام کے مقاصد بھی۔ لہٰذا قرآن کریم نے رضائے الٰہی کو اخلاق کا مقصد قرار دیا ہے۔ انسانی قلب و روح کا تعلق اپنے رب سے ہے۔ رب کو خوش کرنے کے لیے کام کیا جائے گا تو خود بخود قلبی و روحانی سکون حاصل ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۳۸﴾﴾ (الروم)

''پس تم رشتے داروں کا حق ادا کرو اور مسکین و مسافر کا۔ یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی رضا مندی چاہتے ہیں' اور وہی لوگ کام یاب ہونے والے ہیں۔''

ایک جگہ اس بات کی تاکید بایں الفاظ کی گئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ (البقرة: ٢٦٤)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو۔''

اسی طرح فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((اِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))(۱)

''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

امتیازات

قرآن کے فلسفۂ اَخلاق کو دوسرے مذاہب اور فلاسفہ کے اخلاقی نظریات پر کئی حیثیتوں سے فوقیت اور امتیاز حاصل ہے۔ ان میں سے چند ایک نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیے جا رہے ہیں:

(ا) فطری پاکیزگی کا اعلان: قرآن کریم نے انسان پر ایک بہت بڑا احسان یہ کیا ہے کہ اس کے فطری طور پر گناہوں سے پاک ہونے کا اعلان کیا ہے' جب کہ دوسرے مذاہب میں ایسا نہیں۔ تورات کا اندازِ بیان حاخاموں کی سینکڑوں تحریفات کے بعد خالص آمرانہ ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی حکم دیا جاتا ہے تو اس کی مصلحت و حکمت کا بیان تو بہت دور کی بات ہے' اندازِ بیان بھی نصیحت آمیز نہیں ہوتا۔ پھر جا بجا بنی اسرائیل پر دوسری قوموں کی طرف سے ہونے والے مظالم اور خود بنی اسرائیل کے گناہوں کا ذکر انسانیت کو اخلاق کا مثبت اور تعمیری حکم دینے کے بجائے صرف اپنے گناہ گار ہونے کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اسی طرح انجیل میں انسان کو آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے فطری طور پر گناہ گار بتایا گیا ہے۔ انسان جب تک بالغ ہونے کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر گناہوں سے پاکی حاصل نہ کرلے' گناہگار ہی رہتا ہے۔ اگر اس سے پہلے یا بچپن ہی میں موت آ گئی تو اس کا ٹھکانہ سوائے جہنم کے کچھ نہیں۔ کیونکہ اسے اپنے گناہوں سے پاکی حاصل کرنے کا موقع

(۱) صحيح البخارى' كتاب بدء الوحى' باب بدء الوحى' وصحيح مسلم' كتاب الامارة' باب قوله انما الاعمال بالنية .....

نہیں ملا اور اس کے اعمال کی تختی سیاہ کی سیاہ رہی۔

ہندو مذہب اور اس سے نکلنے والے دوسرے مذاہب نے انسان کو کئی جنموں کے تصور میں قید کر دیا ہے۔ انسان پر آنے والی مصیبتیں پچھلے جنم کے گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ یہاں بھی انسان اپنے گناہوں کا بوجھ سر پر لادے ہوئے دنیا میں آتا ہے۔

ان سب کے برخلاف قرآن کریم انسان کو فطری طور پر پاک صاف قرار دیتا ہے' اس کی فطرت کے سلیم اور اعمال کی تختی کے سادہ ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ قرآن کریم کا اصول ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴﴾ (التین)

''ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔''

مزید فرمایا گیا:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ﴾ (الروم: ۳۰)

''تو یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف کر لو' یہی اللہ کی فطرت ہے جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷﴾ (الانفطار)

''جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر برابر کیا۔''

اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس مضمون کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ)) (۱)

''ہر بچہ فطرت کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔''

(ب) تعلقات کی تاکید: اخلاقیات کی عمارت باہمی روابط اور انسانی و معاشرتی تعلقات پر قائم ہے۔ تعلقات و روابط نہ ہوں تو اخلاق کی بحث ہی بے معنی ہو جاتی ہے۔ یقیناً انسانی معاشرے سے کٹ کر بھی اخلاق کی ضرورت باقی رہتی ہے' لیکن اس کا اصل محل انسانی معاشرہ ہی ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن انسانی تعلقات پر بے حد زور دیتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے برخلاف وہ رہبانیت کو قطعاً روا نہیں رکھتا۔ مراتب کے لحاظ سے رشتے داروں' پڑوسیوں' دوستوں' ہم وطنوں' عام انسانوں' نباتات' حیوانات اور جمادات کے حقوق بیان کرتا ہے اور ان حقوق کی ادائی کی پُرزور تاکید بھی کرتا ہے۔ یہ قرآنی تعلیمات کا ایک انتہائی وسیع موضوع ہے۔ یہ بحث جس جامعیت کے ساتھ قرآن کریم بیان کرتا ہے' کوئی دوسری کتاب اس کی برابری تو کجا' اس کے آدھے یا ایک تہائی موضوعات کے احاطے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتی۔ جبکہ اس موضوع پر گفتگو کے بغیر اخلاق کی بحث ہی نامکمل رہتی ہے۔ اس طرح اخلاقیات کے مکمل اصول اور وسیع ترین تعلیم کے دعوے کا حق صرف قرآن کو حاصل ہے' کسی اور کو نہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب تفسیر القرآن' باب لا تبدیل لخلق اللّٰہ' **ومتعدد مقامات**۔ وصحیح مسلم' کتاب القدر' باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة .....

(ج) امر و نہی کا ابدی نظام: اخلاق کا محرک انسانی ضمیر ہوتا ہے۔ اس فطری جذبے کو مذہبی تعلیمات تقویت پہنچاتی ہیں۔ لیکن انسان تو آخر انسان ہی ہے' بدخلقی کا ارتکاب کر ہی بیٹھتا ہے' معاشرے کے تئیں اپنی ذمے داریوں سے غافل ہو ہی جاتا ہے۔ قرآن کا فلسفۂ اَخلاق اس معاملے میں بھی سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ وہ انسان کے اس مزاج کا بھی علاج مہیا کرتا ہے۔ علاج بھی کیسا؟ وقتی یا عارضی نہیں' ابدی و دائمی۔ اس کا کہنا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾(آل عمران:۱۰٤)

''اور تم میں سے ایک گروہ تو ایسا ضرور ہونا چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔''

امر و نہی کا یہ نظام اخلاق کے بقاء و تحفظ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسانی معاشرے کو اخلاقیات کی راہ پر لگائے رکھنا بہت مشکل ہے۔ قرآن کریم نے نہ صرف یہ کہ اس پہلو پر توجہ دی بل کہ اس امر و نہی کے بھی مکمل اصول و ضوابط بیان کیے۔ یہ پہلو بھی قرآن کے فلسفۂ اَخلاق کا ایسا رخ ہے' جو اسے سب سے ممتاز اور افضل قرار دیتا ہے۔

(د) وسعت و ہمہ گیری: قرآن کے فلسفۂ اخلاق کی وسعت و ہمہ گیری بھی اس کا ایک انتہائی اہم وصف ہے۔ قرآن نے اخلاق کو میل جول اور معاشرت کی چند عادات میں محدود نہیں کیا بل کہ اس کو نہایت وسیع مفہوم عطا کیا ہے۔ امام رازیؒ اخلاق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حسنِ اخلاق میں حرص و طمع' بخل' غصے' معاملات میں سختی سے بچنا' اپنے قول و فعل کے ذریعے لوگوں میں محبوب ہونا' عہد و پیمان' جیسے خرید و فروخت وغیرہ میں عہد شکنی' گفتگوئے عہد کو بے نتیجہ چھوڑنے اور سستی سے احتراز' نسبی' سسرالی یا ان سے متعلق دوسرے حقوق کو کھلے دل کے ساتھ ادا کرنا سب کچھ شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے (وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی تفسیر میں) مروی ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم دین کے حامل ہیں۔''

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جامع ترین قول ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن'' بھی ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ المومنینؓ بھی قرآن کریم کے تمام احکامات کو اَخلاق میں شامل کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ اور امام رازی کی وضاحتوں اور حضرت ابن عباسؓ کے قول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے اخلاقیات کے دائرے کو بے پناہ وسعت دی ہے۔ ایسی وسعت جو اس کے علاوہ کہیں اور نہیں پائی جاتی۔ اگر اس وسعت کا صحیح اور غیر جانب دارانہ مطالعہ کرنا ہو تو اس کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور دوسرے تمام مذاہب اور فلاسفہ کے بیان کردہ اخلاق کی فہرست تیار کر لی جائے۔ پھر قرآنی اخلاقیات کو ایک طرف رکھا جائے اور دوسرے تمام مذاہب و فلاسفہ کے بیان کردہ اخلاق کو دوسری طرف۔ پھر ان دونوں کا اوسط نکالا جائے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اوسط دس اور نوے کا نکلے گا۔ یعنی مجموعی اخلاقیات میں سے اسلام کے خانے میں نوے ہوں گے اور باقی سب کے مشترکہ خانے میں دس۔ ان دس میں سے بھی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو' جس کا تذکرہ قرآنی اخلاقیات میں موجود نہ ہو۔

قرآنی فلسفۂ اَخلاق کی تفہیم

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات کافی حد تک واضح ہوگئی کہ قرآن کا فلسفۂ اَخلاق انسانیت کا جامع ترین فلسفۂ اخلاق ہے۔ اپنی اصل' ماخذ' مقاصد' امتیازات اور وسعت و ہمہ گیری کی وجہ سے دوسرے تمام اخلاقی فلسفوں سے زیادہ بہتر' جامع اور مفید ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ موجودہ دور میں اس کی تفہیم و اشاعت کا انتظام کیا جائے' تاکہ دنیا کے سامنے اسلام کی حقانیت بھی آسکے اور انسانیت کو اخلاقیات کا جامع ترین نصاب بھی فراہم کیا جاسکے۔ اخلاق کے ناکارہ اور فرسودہ فلسفوں اور کھوکھلے نظام کی بنیاد پر دنیا میں جو بداخلاقی رائج ہوچکی ہے اور اس بداخلاقی و بے ہودگی کو اخلاق سمجھ لیا گیا ہے' اُس سے انسان کو بچایا جاسکے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ موجودہ انسان کے مزاج اور زمانے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآنی فلسفۂ اخلاق کی اشاعت اور تعارف کا اہتمام کیا جائے۔ مسلم مفکّرین' مصنّفین' علماء' دانش وران' جماعتوں' تنظیموں اور اداروں پر فرض ہے کہ وہ عارضی مسائل اور بے جا فروعی بحثوں سے بچتے ہوئے اس اہم پہلو کی طرف متوجہ ہوں۔ اس سلسلے میں چند عملی اقدامات کرنا بے حد ضروری ہے:

(۱) قرآن کے فلسفۂ اخلاق پر جامع تحقیقات پیش کی جائیں۔
(۲) خالص علمی بنیادوں پر قرآنی فلسفۂ اخلاق کا دوسرے فلسفوں سے موازنہ کیا جائے۔
(۳) دوسرے اخلاقی فلسفوں اور موجودہ اخلاقی نظام کے کھوکھلے پن کو واضح کیا جائے۔
(۴) قرآنی اصولِ اخلاق پر قائم ہونے والے معاشرے کی ہمہ گیر افادیت پر تحقیقات پیش کی جائیں۔
(۵) ان علمی تحقیقات کے بڑی زبانوں میں ترجمے اور اشاعت کا اعلیٰ انتظام کیا جائے۔
(۶) مذکورہ موضوعات پر سیمیناروں' مکالموں اور مذاکروں کا انعقاد کیا جائے۔
(۷) مسلم مدارس و جامعات میں قرآن کے فلسفۂ اخلاق کی موازناتی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔
(۸) ابتدائی اسکولوں میں قرآنی اخلاقیات داخل کرکے نئی نسل کے ذہن میں اس کی خوبیاں بٹھائی جائیں۔

ان اقدامات کے بغیر موجودہ دور میں قرآنی فلسفۂ اخلاق کی تفہیم کا اہم مرحلہ طے نہیں کیا جاسکتا۔ اس مرحلے کو طے کرنا پوری اُمت پر ضروری ہے۔ اس کا تعلق کسی خاص مسلک' جماعت' تنظیم یا ادارے سے نہیں ہے' یہ اسلام اور مسلمانوں کی ضرورت ہے' جس کی تکمیل کی ذمہ داری پوری اُمت پر عائد ہوتی ہے۔ اگر پوری اُمت مشترکہ طور پر اس ضرورت کی تکمیل کے لیے سنجیدہ ہوجائے تو یقیناً بہت جلد اور انتہائی مناسب انداز سے اس علمی و دعوتی خلا کو پُر کیا جاسکتا ہے۔

❁❁❁

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

محاسنِ اَخلاق: قرآن و بائبل کی روشنی میں

(ایک تقابلی مطالعہ)

محفوظ الرحمٰن قاسمی ☆

لاریب کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تمام کتابوں کی غرض و غایت یہی تھی کہ انسان کو معرفتِ الٰہیہ کی راہ دکھائیں' محاسنِ اَخلاق سے آراستہ اور بہرہ مند کریں' عبادات و معاملات میں راہِ اعتدال کا قیام فرمائیں' اور انسانوں کے قلب و دماغ کو ان صفات سے اس طرح متصف اور پاکیزہ کردیں کہ وہ بے داغ آبدار صاف و شفاف آئینہ کی مانند ہو جائیں۔ ہدایتِ ربانی کے آخری الہامی ایڈیشن قرآن کریم نے عرفانِ الٰہی' محاسنِ اَخلاق اور عبادات و معاملات پر پورا زور صرف کیا ہے' اور وہ احکامات جو زیادہ ضروری اور لابدی ہیں ان کے متعلق زیادہ اور جو ذرا کم ضروری ہیں ان کے متعلق ذرا کم واضح ارشادات بیان فرمائے ہیں۔ بلاشبہ یہ قرآن کریم ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس نے ایسی حکیمانہ و عادلانہ ترتیب وضع فرمائی ہے کہ اگر انسان اس کے رموز و اشارات کو سمجھے اور خود غرضی کا پہلو چھوڑ دے تو بلاشبہ اس کے ہاتھ سے دینی و دُنیوی کوئی فائدہ فوت نہ ہوگا۔ دُنیوی زندگی عیش و آرام اور آسائش کے ساتھ بسر ہوگی' اور اُخروی زندگی میں حسرت و حرمان کا سامنا کرنا نہ پڑے گا۔

دوسرے صحائفِ سماویہ میں یہ حکیمانہ ترتیب موجود نہیں ہے' اس لیے کہ یہ کتابیں بار بار تحریفات کا نشانہ بنیں اور ان کی تعلیمات افراط و تفریط کا شکار ہو کر فطرتِ انسانی کے موافق نہیں رہیں۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ تورات اور انجیل میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی تھا۔ لیکن انسانی تحریفات رنگ لائے بغیر نہ رہ سکیں اور اعمالِ شرعیہ کو نمائشی تماشہ گاہ بنا لیا گیا۔ پھر طبیعت میں آزادی کی ایسی لہر دوڑی کہ احکام الٰہیہ جو مبنی بر مصالح تھے تعطل کا شکا ہو گئے' جس کا انسانی اخلاق پر ایک گہرا اور قبیح اثر پڑا' اور رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی مضبوط شاخ جل کر راکھ ہونا شروع ہوگئی' اور بے عملی و بے راہ روی کا دور دورہ تدریجاً ترقی کرتے کرتے بامِ عروج کو پہنچ گیا۔ اس کے باوجود ابھی بھی ان کتابوں میں کچھ قیمتی موتی ملتے ہیں۔ خاص طور پر محاسنِ اَخلاق کے بارے میں انجیل کی تعلیمات میں واضح اشارے پائے جاتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد ضروری ہے کہ محاسن اخلاق پر قرآن اور بائبل کی روشنی میں ایک مختصر تقابلی مطالعہ پیش کر دیا جائے' تاکہ دونوں کی اخلاقی تعلیمات کا امتیاز قارئین کے سامنے واضح ہو جائے۔

کتابِ مقدس کے عہد نامۂ جدید میں انجیل متی کے پانچویں باب میں درج ذیل محاسنِ اخلاق کا تذکرہ کیا گیا ہے'

☆ ریسرچ اسکالر' شعبہ سنی دینیات' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ

جن کو تہذیب وتمدن کا اصل الاصول قرار دیا جاتا ہے' اور پیروانِ بائبل کے نزدیک ان کو مابہ الامتیاز سمجھا جاتا ہے۔

☆ دل کی غمگینی وغریبی ☆ حلم وبردباری ☆ راست بازی ☆ رحم دلی

☆ دل کی پاکی ☆ مظلومی بوجہ راست بازی

قرآن کریم میں اس قسم کے بیج' پودے اور اَشجار اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ ان کا احصاء اس مختصر مضمون میں مشکل ہے' لیکن قارئین کی سہولت کی خاطر ان اصولِ ستہ کو بنیاد بنا کر تقابلاً کچھ نمونے تحریر کیے جاتے ہیں۔

دل کی غمگینی وغریبی

کتابِ مقدس میں ہے:

''مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں' کیونکہ وہ تسلی پائیں گے''۔ (۱)

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝۲﴾ (الانفال)

''مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

دوسری جگہ نیک بندوں کی صفات کو شمار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۝۲۷ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ۝۲۸﴾ (المعارج)

''اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں' کیوں کہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی بے خوف ہو۔''

ایک اور جگہ دل کی غمگینی ہی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۝۴۰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۝۴۱﴾ (النزعٰت)

''اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا' پس جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگی۔''

قرآن کریم کی درج بالا آیات کا مضمون اور بائبل کی تقریر کا مضمون تقریباً ایک جیسا ہے کہ دونوں میں دل کی غمگینی کو طمانینتِ قلب کے طور پر پیش کیا گیا ہے' اور بندے کو اچھے ٹھکانے کی خوشخبری سے نوازا گیا ہے۔

کتابِ مقدس میں ہے :

''مبارک ہیں وہ جو روح کے غریب ہیں' کیوں کہ آسمان کی بادشاہت انہیں کی ہے۔''(۲)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

((اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ ، وَاَهْلُ النَّارِ كُلُّ جَوَّاظٍ عُتُلٍّ مُسْتَكْبِرٍ)) (۳)

''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ (پھر آپ ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمایا) ہر وہ شخص جو کمزور ہو' لوگ بھی اسے کمزور سمجھتے ہوں' اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کردے۔ اور دوزخی' ہر وہ شخص جو مال جمع کر کے رکھنے والا بخیل' سخت مزاج' مغرور ہو۔''

اس حدیث کا مضمون ذہن میں رکھ کر اگر انجیل متی کے درج بالا جملے پر غور کریں تو دل خود صاف گواہی دینے پر مجبور نظر آئے گا کہ حدیث کا مضمون انجیل کی تعلیم پر بڑی قوت کے ساتھ حاوی ہے۔

حلم و بردباری

کتابِ مقدس میں ہے :

''مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں' کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے''۔ (۴)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۳ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۴﴾ (آل عمران)

''اور دوڑو اُس مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے' اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے سب آسمان و زمین کی وسعت' وہ تیار کی گئی ہے تقویٰ کی روش اختیار کرنے والوں کے لیے۔ ایسے لوگ جو کہ خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں' اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے' اور اللہ تعالیٰ ایسے نیک کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔''

انجیل متی میں حلم و بردباری کی رغبت اور شوق کو فلاحِ دنیا کا باعث بتایا گیا ہے' اور ظاہر بات ہے کہ ایک متحمّل مزاج انسان دنیوی زندگانی میں کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کرتا ہی رہتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن کریم کی تعلیم میں متحمل مزاج انسان کو دو عظیم بشارتوں سے نوازا گیا ہے' ایک ایسی جنت کی بشارت جس کی وسعت آسمان و زمین کے مساوی ہے' دوسرے محبوبیتِ الٰہی کی بشارت کہ متحمل مزاج انسان کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے' جس کے سامنے تمام نعمتیں ہیچ ہیں۔ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم کو بائبل کی تعلیم پر بلندی و فوقیت حاصل ہے۔

راست بازی

کتابِ مقدس میں ہے :

''مبارک ہیں وہ جو راستی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کیوں کہ وہ آسودہ ہوں گے''۔ (۵)

''مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کیوں کہ وہ خدا کو دیکھیں گے''۔ (۶)

قرآن کریم میں صدق و صفا کی متعدد جگہ رغبت دلائی گئی ہے اور سچائی کی صفت سے متصف ہونے کی بار بار تاکید کی گئی ہے' اور بلاغت کے رنگ میں ایسا اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو سامعین کے قلب و دماغ پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے تذکرے میں وصفِ نبوت و رسالت سے پہلے وصف صداقت کو بیان کیا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے تاج میں صدق ایک گراں بہا موتی ہے' اور خالق

کائنات کی بارگاہ میں اس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝﴾ (مریم)

''اوراس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے' یقیناً وہ بڑے راستی والے پیغمبر تھے۔''

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۣ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝﴾ (مریم)

''اوراس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجیے' بلاشبہ وہ وعدہ کے (بڑے) سچے تھے' رسول بھی تھے' نبی بھی تھے۔''

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۣ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝﴾ (مریم)

''اوراس کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجیے' بے شک وہ بڑے راستی والے نبی تھے' اور ہم نے ان کو (کمالات میں) بلند رتبہ تک پہنچایا تھا۔''

صداقت اور سچائی کے ذخیرہ میں اخلاص کا ایک عظیم مرتبہ ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالتِ شان مذکورہ تینوں انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑھی ہوئی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں آپ کو ''مخلص'' کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝﴾ (مریم)

اوراس کتاب میں موسیٰ (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجیے' وہ بلاشبہ (اللہ تعالیٰ کے) خاص کیے ہوئے (بندے) تھے اور رسول بھی تھے' نبی بھی تھے۔''

مذکورہ بالا تمام آیات اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ جو انسان صدق و راست بازی کے عظیم وصف سے متّصف ہوگا وہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے قرب سے مشرف ہوگا' جیسا کہ قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی توضیح فرمائی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝﴾ (الحجر)

''اُس (شیطان) نے کہا: خدایا! چونکہ تو نے مجھ پر (نجات و سعادت کی) راہ بند کر دی تو اب میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں ان کے لیے (جھوٹی) خوشنمائیاں بنا دوں اور ان سب کو (راہ حق سے) گمراہ کر دوں۔سوائے ان کے جو ان میں تیرے مخلص بندے ہوں گے۔(میں جانتا ہوں کہ وہ میرے بہکانے میں آنے والے نہیں)۔''

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ لعین شیطان نے اللہ ربّ العزت کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر فرما دیا تھا کہ وہ ہمیشہ بنی آدم کو جادۂ اطاعت سے منحرف کرنے کی سعی و کوشش میں لگا رہے گا' لیکن اس لعین نے بھی اپنے گستاخ ارادہ کے ساتھ اقرار و اعتراف کیا کہ میرا بس تیرے مخلص بندوں پر نہ چل سکے گا۔لہٰذا اگر بندگانِ خدا صدق و اخلاص کے جوہر لطیف کی حفاظت کر لیں تو وہ اپنے قوی دشمن سے محفوظ رہ کر ہمیشہ کی جنت میں اپنا مسکن بنا لیں گے۔آنحضور ﷺ کے ارشادِ مبارک میں اس مضمون کی پوری وضاحت موجود ہے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بلاشبہ سچ بولنا نیکی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے' آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے یہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے' اور بلاشبہ جھوٹ برائی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور برائی دوزخ تک پہنچا دیتی ہے' آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسے کذاب لکھ دیا جاتا ہے''۔ (۷)

رحم دلی

کتابِ مقدس میں ہے :

''مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں' کیوں کہ ان پر رحم کیا جائے گا''۔ (۸)

قرآن کریم میں شانِ رحمت بہت بلند بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ابتدائی سورۃ ''الفاتحہ'' میں اپنی ذاتِ اَقدس کو اس صفت کے ساتھ متصف فرمایا ہے ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ اور سورۃ الانبیاء میں اپنی سب سے محبوب شخصیت کو بھی اسی صفت رحمت کے ساتھ خطاب فرمایا ہے ﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾۔ قیامت کے دن جن حضرات کو اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں عطا کیا جائے گا ان کی بھی ایک نمایاں صفت قرآن کریم نے وصف رحمت بیان فرمائی ہے:

﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝۱۷ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۝۱۸﴾ (البلد)

''پھر وہ ان لوگوں میں ہوتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (خلق خدا پر) رحم کی ہدایت کرتے رہے۔ یہی لوگ داہنے ہاتھ والے ہیں۔''

اور سب سے بڑھ کر اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو لوگ دوسرے لوگوں پر رحم کرتے ہیں' تو ایسے لوگوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ پھر اسلام کی تعلیم فقط انسانوں پر رحم کے ساتھ خاص نہیں ہے' بلکہ ہر ذی نفس پر رحم کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرد راستہ میں چلا جا رہا تھا' اس کو سخت پیاس لگی۔ راستہ میں اسے ایک کنواں نظر آیا' وہ اس میں اترا اور پانی نوش کیا۔ جب باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہے' شدتِ پیاس کی وجہ سے اس کی زبان منہ سے باہر نکلی ہوئی ہے اور تر مٹی چاٹ رہا ہے۔ اُس آدمی نے سوچا کہ اس کی حالت بھی میری ہی جیسی ہو رہی ہوگی۔ چنانچہ وہ کنویں میں اترا' اپنے موزے کو پانی سے بھرا' موزے کو منہ سے پکڑ کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اس کی مغفرت فرما دی۔ لوگوں نے سوال کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم لوگوں کے لیے جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر مخلوق کے ساتھ جو تر جگر رکھتی ہو سلوک کرنے میں اجر ہے''۔ (۹)

صلح جوئی

کتابِ مقدس میں ہے:

''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں' کیوں کہ وہ خدا کے فرزند کہلائیں گے''۔ (۱۰)

قرآن کریم میں ہے :

﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾﴾ (الاعراف)

''اور زمین میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے' فساد مت پھیلاؤ' اور اللہ کو پکارا کرو ڈرتے اور امیدوار رہتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کاروں کے قریب ہے۔''

﴿وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ؕ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾﴾ (الشوریٰ)

''اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی' پھر جو شخص معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔''

حدیثِ رسول ﷺ میں باہمی اصلاح کی فضیلت ان الفاظ میں مذکور ہے:

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو روزہ' نماز اور صدقہ وخیرات سے افضل چیز نہ بتلاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: باہمی صلح سب سے افضل ہے' کیوں کہ آپس کی نااتفاقی (دین کو) مونڈنے والی ہے۔''(۱۱)

یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہو جاتے ہیں ایسے ہی آپس کی لڑائی سے دین ختم ہو جاتا ہے۔

مظلومی بوجہ راست بازی

کتابِ مقدس میں ہے:

''مبارک ہیں وہ جو راستی کے سبب ستائے گئے ہیں' کیوں کہ آسمان کی بادشاہی انہی کی ہے''۔(۱۲)

انجیل کی اس آیت میں درحقیقت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ترغیب دی گئی ہے کہ اس راہ میں سچے ایمان داروں کو مصائب اور مشکلات اور تکالیف ومشقات کے پیش آنے کی صورت میں اُمید دلائی گئی ہے کہ ان کو آخرت میں معقول اجر سے سرفراز کیا جائے گا۔

قرآن کریم میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے متعلق کثیر آیات ہیں' جن کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں' چند آیات بطورِ نمونہ کے پیش کی جاتی ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کے انجام دینے والے لوگ کامیابی کے زمرہ میں شامل ہوں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ (آل عمران)

''اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونا ضروری ہے جو خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک کام کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کرے۔ اور یہی لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔''

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾﴾ (آل عمران)

''تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی عمل کو ضائع نہیں کروں گا' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' تم سب ایک دوسرے میں سے ہی ہو۔ پس جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے (میری راہ میں) جنگ کی اور جانیں بھی دے دیں' میں لازماً اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر دوں گا اور انہیں لازماً داخل کروں گا ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔''

حضرت لقمان نے جو نصائح اپنے بیٹے کو فرمائی ہیں' اس کا تذکرہ قرآن کریم میں بطور ترغیب اہلِ اسلام بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾﴾ (لقمٰن)

''بیٹا! نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر' اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر۔ یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ق وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾﴾ (آل عمران)

''اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلے میں صبر کرو' اور مقابلے کے لیے مستعد رہو' اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔''

قرآن و بائبل کے حوالے سے محاسنِ اخلاق کے چند نمونے یہاں پر پیش کیے گیے ہیں' تاکہ حق کے متلاشی اندازہ کر سکیں کہ ہر مذہب میں محاسنِ اخلاق کی تعلیم موجود ہے' لیکن قرآن کریم کے بیان کردہ محاسنِ اَخلاق اپنی خوبیوں اور فضائل کے لحاظ سے دیگر ادیان کی اخلاقی تعلیم پر پورے طور پر حاوی ہیں' کیونکہ قرآن کریم نے دینی و دنیوی ہر پہلو کو اعتدال کے دائرے میں رکھا ہے۔ جو لوگ اسلام کی تعلیم سے بدگمانی رکھتے ہیں اس کی صاف اور عام وجہ صرف یہی ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی تعلیم سے واقف نہیں' انہوں نے اپنے علماء و احبار سے جیسا کچھ سنا وہ اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ وہ صحیح راہ حق کے لیے اسلام کی طرف منصفانہ نگاہ نہیں کرتے اور تعصّب کا چشمہ نہیں اتارتے' جس کے باعث صراطِ مستقیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱) انجیل متی: ۵ : ۵ (۲) انجیل متی: ۵ : ۳

(۳) صحیح البخاری ' باب قول اللہ تعالیٰ واقسموا باللہ..... رقم الحدیث : ٦٦٥٧

(۴) انجیل متی: ۵ : ۴ (۵) انجیل متی : ۵ : ۲ (۶) انجیل متی : ۵ : ۸

(۷) صحیح مسلم ، باب قبح الکذب ..... رقم الحدیث: ٦٦٣٧ (۸) انجیل متی ص: ۵ : ۷

(۹) صحیح البخاری، باب رحمۃالناس والبھائم'کتاب الادب'رقم الحدیث: ٦٠٠٩

(۱۰) انجیل متی : ۵ : ۹

(۱۱) سنن الترمذی ، باب فضل صلاح ذات البین' رقم الحدیث : ۲۵۰۹ (۱۲) انجیل متی : ۵ : ۱۰

مقصدِ اُمّت اور اخوّت ومحبّت

حافظ انجینئر عمیر انور☆

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ انسانوں کا باہم اتحاد واتفاق سے گزر بسر کرنا اور ایک دوسرے کے جائز حقوق کا خیال رکھنا' بالفاظِ دیگر عدل پر قائم رہنا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر باہم احسان وکرم کو پروان چڑھانا' ان کی بقائے باہمی' فلاح و بہبود اور ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ازحد ضروری ہے جن کے حصول کے لیے انہیں اس زمین میں آباد کیا گیا ہے۔ بالخصوص موجودہ دور میں جبکہ پورا روئے ارضی ایک چھوٹے سے گاؤں (global village) کی شکل اختیار کر چکا ہے اور دوسری جانب مختلف ممالک واقوام نے ایسے ہلاکت خیز ہتھیار وآلات تیار کر لیے ہیں جن کے اثر سے روئے زمین سے انسانیت کا نام ونشان تک مٹایا جاسکتا ہے۔ پھر انسانوں کو مختلف ممالک میں تقسیم کر کے باہمی آویزش کی نہ ختم ہونے والی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ ایسے حالات میں انسانوں کے لیے کسی ایسی بنیاد کا فراہم ہونا انتہائی اہم ضرورت کی شکل اختیار کر چکا ہے جو انہیں ایک عالمگیر برادری کے رشتے میں جوڑ کر باہمی اتحاد واشتراک کی دولت سے فیض یاب کر سکے۔ اس امر میں بھی ہرگز کوئی شبہ نہیں کہ وہ واحد بنیاد جو پوری عالَمِ انسانیت کو بلاتفریق رنگ' نسل' علاقہ' زبان وقومیت ایک عالمگیر برادری کی شکل دے سکتی ہے صرف دین اللہ یعنی اسلام کے پاس موجود ہے اور اسی نے انسانیت کو اس عظیم نعمت سے روشناس کرایا ہے۔ یہ بنیاد توحید باری تعالیٰ اور وحدتِ خالق کا تصور ہے جو ہمارے دین نے انسانوں کے سامنے واضح کیا ہے۔ انسان کی فطرت میں محبت والفت کا جو شدید حاسّہ رکھا گیا ہے' جس کا اظہار قدیم زمانے میں مظاہرِ قدرت کی پرستش وڈنڈوت کی صورت میں سامنے آتا رہا ہے اور آج بھی سیاسی لیڈروں اور دیگر رہنماؤں کے ساتھ اندھی محبت اور بالخصوص نوجوانوں میں اپنے ہیروز اور آئیڈیلز کی چاہت میں دیوانگی کی حد تک چلے جانے کی کیفیت میں سامنے آتا ہے' اس جذبے کا صحیح مصرف ہمارے دین نے یہ قرار دیا ہے کہ اسے اپنے خالق ومالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ شدید وارفتگی کی شکل میں ظاہر ہونا چاہیے۔ اسی کے نتیجے میں اس کی مخلوق کے ساتھ تعلق ورویہ میں بھی اس کا پرتو اور عکس خیر خواہی اور ہمدردی کی شکل میں نظر آنا چاہیے۔ یہی وہ اخلاقی تربیت اور طرزِ تعمیر ہے کہ جس کی بدولت انتشار وافتراق کا خاتمہ کرتے ہوئے ہمارا دین دنیا کے تمام انسانوں کو ایک عالمگیر اخوت کے رشتے میں جوڑتا ہے۔

یہ امر بھی تاریخِ انسانی کے عظیم ترین المیوں میں سے ایک ہے کہ موجودہ مادی ودجالی تہذیب کے نظریات اور فلسفوں کے اثرات نے بحیثیتِ مجموعی انسان کے ذہن سے تصورِ خالق پر اعتقاد ویقین کو بُری طرح متزلزل کر

☆ استاذ' قرآن اکیڈمی ڈیفنس' کراچی۔ ای میل: UmairAnwar@QuranAcademy.com

دیا ہے‘ جس کے نتیجے میں مذہب سے ایک عمومی بُعد پیدا ہو چکا ہے اور علم وحی کی جانب سے توجہات بالعموم ہٹ چکی ہیں۔ پھر اسی تہذیب نے آزاد اور خدا بیزار ترقی یافتہ اقوام کو مزید مادی ترقی اور غلبہ و اقتدار کے حصول کی ایسی حرص و ہوس میں مبتلا کر دیا ہے کہ جس کی بدولت وہ دیگر ممالک و اقوام کے وسائل ہڑپ کر کے انہیں پوری طرح باج گزار بنا کر حیوانی سطح پر لے آنا چاہتی ہیں۔ ان اقوام کی یہی خواہشِ تفوّق (Urge to dominate) پورے عالمِ انسانیت کو ایک بہت بڑی تباہی کے گڑھے کے کنارے تک نہ صرف پہنچا چکی ہے بلکہ اس میں گرایا ہی چاہتی ہے۔ اس انجامِ بد سے بچاؤ کا جو واحد راستہ اب انسانیت کے پاس بچا ہے وہ یہی ہے کہ اسے اپنے خالق کی رسی یعنی دین اللہ کی تعلیم کے دامن سے اپنے آپ کو پورے ایمان و یقین کے ساتھ خوب مضبوطی سے وابستہ کرنا ہوگا۔ اسی میں پوری انسانیت کی دنیوی و اخروی فلاح ہے۔ ہر صاحبِ بصیرت انسان اس بات کو بخوبی دیکھ سکتا ہے کہ رفتہ رفتہ انسانیت اپنے فکری ارتقاء اور نظامِ عدل کی فطری پیاس کی تسکین کے سامان کی تلاش میں اسی منزل کی جانب اپنا سفر طے کر رہی ہے۔ اسی طرح حضرتِ رسول اللہ ﷺ کے بہت سے ارشادات کی روشنی میں بھی یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اب وہ دَور کچھ زیادہ دُور بھی نہیں ہے کہ جب یہ خواب پوری طرح شرمندۂ تعبیر ہو جائے گا اور یہ چمن نغمۂ توحید سے معمور ہو جائے گا۔ یعنی انسانیت عدلِ اجتماعی اور باہمی محبت و اتفاق کی نعمت سے سیراب ہو کر اپنے خالق کی جانب سے عطا کردہ دین حق کی تعلیم پر عمل کی صورت میں اس کی رحمت اور عافیت کے سائے میں سکون کا سانس لے سکے گی۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس مشن کی تکمیل کے لیے اور انسانیت کو اس معراج سے ہمکنار کرانے کے لیے امتِ محمدی ﷺ پر بڑی بھاری اور کٹھن ذمہ داری عائد ہوتی ہے‘ جس کی ادائیگی کے لیے اسے بہرصورت کمر کسنی ہوگی اور میدانِ عمل میں آنا ہوگا۔ ایک طرف اس امت کو اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے بھرپور اجتماعی جِدّوجُہد کرنی ہوگی اور دوسری طرف اس جدوجہد کے دوران مطلوبہ کیفیات و جذبات سے پوری طرح سرشار ہونے کے لیے افرادِ اُمت کو اپنے نفوس کی تربیت کے لیے پورے استقلال کے ساتھ محنت کرنی ہوگی۔ اُمت کے اسی فرضِ منصبی کا کسی قدر اختصار سے ذکر اور انہی کیفیات و جذبات میں سے ایک اہم جذبہ (بقولِ اقبال) ’’جذبِ باہم‘‘ کا کسی قدر تفصیل سے بیان اس مضمون کی تحریر میں پیش نظر ہے۔

مقصدِ اُمّت

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کلام میں اِس امت کو جس مقصدِ عظیم کے لیے برپا کرنے کا ذکر فرمایا ہے وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ اِس کا ذکر سورۂ آلِ عمران کی آیت میں ان الفاظ میں ہوا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ (آلِ عمران: ۱۱۰)

’’تم بہترین اُمت ہو جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی بھلائی و ہدایت) کے لیے‘ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

اِس مقصد کے حصول و تکمیل کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ یہ امت اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دین پر انفرادی و اجتماعی سطح پر پوری طرح عمل پیرا ہو۔ اِس مطالبے کا ذکر قرآنِ حکیم کی مختلف آیات میں آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾

''اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر۔ بے شک وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ اس مطالبے کی تکمیل نفاذِ دین کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اس مقصد کے حصول کے لیے دوسرا مطلوبہ کام یہ ہے کہ یہ امت دعوتِ دین کی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے میدانِ عمل میں سرگرم رہے۔ اس ذمہ داری کا ذکر بھی قرآنِ حکیم میں مختلف مقامات پر اور احادیث نبویہ ﷺ میں بہت پیرایوں میں وارد ہوا ہے' جبکہ سورۃ النحل میں باقاعدہ اس کا طریقہ بھی سکھایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ﴾ (آیت ۱۲۵)

''(اے نبی ﷺ!) بلایئے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (ومناظرہ) اِس انداز سے کیجیے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ) ہو۔''

چنانچہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے اس امت کے افراد کو جس جذبے سے سرشار ہونا ہوگا وہ انسانی ہمدردی و خیر خواہی کا جذبہ ہے۔ اس جذبے کے تحت بلاتفریق پوری انسانیت کی اس انداز میں خدمت کہ ان کو دنیا و آخرت کی فلاح سے ہمکنار کرانے کی کوشش کی جائے' اس امت کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی جذبے کا پوری شدت سے اظہار اس امت کے افراد کے باہمی تعلقات میں بھی مطلوب و محمود ہے۔ گویا یہ وہ اہم خصوصیت ہے کہ جس کے پیدا ہونے سے اسلام کو ماننے والے افراد ایک واقعی امت کی شکل اختیار کر پاتے ہیں اور اگر یہ کیفیت موجود نہ ہو تو اس امت کے لیے اپنے مقصد کا حصول انتہائی مشکل قرار پائے گا۔ اسی لیے اس وصف کا پیدا کرنا اور اس کا پروان چڑھتے رہنا از حد ضروری ہے۔ پیش نظر تحریر کے بقیہ حصہ میں اسی کیفیت کی اہمیت اور اس حصول کے لیے کچھ نکات کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔

اَخوت ومحبت

قرآنِ حکیم اور احادیث مبارکہ میں اس وصف کے بیان کے لیے کئی عناوین اختیار کیے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کلام میں اِس بات کا ذکر فرمایا ہے کہ اِس امتِ مسلمہ کے افراد اپنے ایمان کی بنیاد پر آپس میں ایک بہت مضبوط اور گہرے رشتہ اخوت کے ذریعے جڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)

''بے شک اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔''

گویا دولت ایمان سے سرفراز ہونے کے بعد اب مسلمان بلاتفریق لسان' رنگ' نسل وعلاقہ' ایک عالمگیر اخوت و بھائی چارے کے رشتے میں منسلک ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس رشتے کی بدولت مسلمانوں کے درمیان گہری اخوت

ومحبت کی کیفیت پیدا ہونی چاہیے۔ یہی رشتہ ہے کہ جس کے تقاضوں کی ادائیگی کا خیال رکھنے کی بدولت دینِ محمدی ﷺ کو ماننے والے اس دنیا میں ایک مضبوط اُمت اور جسدِ واحد کی سی شکل اختیار کرسکیں گے۔ اس کے بعد ہی یہ اُمت اپنے پیش نظر مقصد کے حصول کے لیے پیش قدمی کرسکتی ہے۔ باہمی اخوت ومحبت کی اِسی کیفیت کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے سورۃ الفتح میں فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح :۲۹)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اور (وہ سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں' آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔''

بقولِ علامہ اقبال مرحوم:۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

بدقسمتی سے موجودہ دور میں بالعموم مسلمان (بشمول تحریکاتِ اسلامی سے وابستہ بہت سے کارکنان ورفقاء) اس وصف میں خاصے کمزور اور اکثر وبیشتر تہی دست نظر آتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں ایک بہت بڑا سوال یہ ہے کہ آخر یہ کیفیت کیسے پیدا ہوئی اور اس کے تدارک کا طریقہ کیا ہے؟ چنانچہ اس حوالے سے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے ہمیں رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کی مقدس سیر وحالات اور تعلیمات پر غور کرنا ہوگا۔

اہلِ عرب کی صدیوں کی باہمی قبائلی دشمنیوں نے بالعموم اور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ آمد سے کچھ عرصہ قبل اہل یثرب کو جنگ بعاث نے بالخصوص' جس طرح تباہی وبربادی اور منافرتِ باہمی سے دوچار کردیا تھا' اِس کے پیش نظر اخوت ومحبت کی درجہ بالا کیفیات' جن کا ذکر سورۃ الفتح کی آیت میں ہوا' کا پیدا ہوجانا کوئی آسان امر نہ تھا' لیکن یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے سچے ایمان ویقین' اعتصام بالقرآن اور صحبتِ نبوی ﷺ کی تاثیر کی بدولت اِس امت کے اوّلین وبہترین حصہ میں اخوت ومحبت کا فقید المثال جذبہ پیدا فرمادیا تھا۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (آل عمران)

''اور مضبوطی سے پکڑو اللہ کی رسّی کو سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا' اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت جو اُس نے تم پر فرمائی جبکہ تم تھے آپس میں دشمن' پس اس نے الفت پیدا کردی تمہارے دلوں میں تو بن گئے تم اس احسان سے بھائی بھائی' اور تم کھڑے تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچالیا تمہیں اِس میں گرنے سے۔ یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو۔''

اسی جذبہ کی بدولت انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے مہاجرین صحابہؓ کے لیے اپنے دلوں اور وسائل کے دروازے جس طرح وا کیے' وہ پوری تاریخ انسانی میں اخوت ومحبت کا نہایت شاندار اور عدیم المثال باب ہے۔ سورۃ الحشر میں اللہ

سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ﴾ (الحشر:۹)

''اوران لوگوں کے لیے بھی جو مہاجرین سے پہلے ہجرت کے گھر (یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش اور خلش نہیں پاتے' اوران کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔''

اسی طرح سورۃ المائدۃ میں افرادِ امت کو ترغیب جہاد فی سبیل اللہ کے بیان کے ضمن میں کچھ اوصاف کے اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔کلامِ باری تعالیٰ میں ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۡ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝۵۴﴾ (المائدہ)

''اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اُس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو جس سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے' جو نرم ہوں گے ایمان داروں کے لیے اور بہت سخت ہوں گے کافروں پر' جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے' نوازتا ہے اسے جسے چاہتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

دراصل اس آیت میں وہ اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واقعتاً متّصف تھے۔انہی میں سے ایک اہم وصف باہمی تراحم والفت کا جذبہ ہے۔اسی جذبے نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باہم شیر وشکر کر دیا تھا۔ اس کیفیت کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے ایک بہت بڑے احسان اور نوازش کے طور پر سورۃ الانفال میں ذکر فرمایا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۶۳﴾ (الانفال)

''اوراسی نے اُلفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں' اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں' لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان۔ بلاشبہ وہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اسی عنایت کی بدولت ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جسدِ واحد کی شکل اختیار کر گئے تھے۔حضرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات میں پوری امت کو اسی طرح ایک جسدِ واحد کی شکل اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَرَی الْمُؤْمِنِینَ فِی تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکَی عُضْوًا تَدَاعَی لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّی))(۱)

''ایک دوسرے پر مہربانی کرنے اور دوستی وشفقت میں تم مؤمنوں کو ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ جسم کے ایک حصہ کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔''

((اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا)) وَشَبَّکَ أَصَابِعَهُ (۲)

''مؤمن ایک دوسرے کے لیے عمارت کی مانند ہیں' جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کو ایسے ہونا چاہیے۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ امتِ محمدی ﷺ کے بہترین افراد یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں دیگر مطلوبہ کیفیات کے ساتھ ساتھ جسدِ واحد ہونے کی یہ کیفیت بھی پورے عروج پر تھی کہ جس کی بدولت دعوتِ دین' نفاذِ دین اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی کٹھن ذمہ داریوں کی ادائیگی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسان بنا دی تھی۔ اسی طرزِ عمل کی بدولت انہیں دنیا میں عروج وسربلندی سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔ لیکن آج کے حالات اس سے بہت مختلف ہیں' کیونکہ ہمارا طرزِ عمل اپنے اَسلاف کے طرزِ عمل سے بہت مختلف ہے۔ اس افسوسناک کیفیت کے علاج کے لیے ہمیں اسی طریقہ کو اپنانا ہوگا جس کی رہنمائی ہمیں نبی اکرم ﷺ کی تعلیم اور قرونِ اولیٰ کے افرادِ امت سے ملتی ہے۔ اس رہنمائی کے چیدہ چیدہ نکات ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

محنتِ ایمان بذریعہ قرآن

سب سے پہلے جس محنت کے اہتمام کی بالعموم ضرورت ہے وہ سچے و پکے ایمان و یقین کی کیفیت کے حصول اور اس میں مسلسل اضافے کی کوشش ہے۔ اگر ایمان کی یہ محنت اللہ کے کلام کی بغور تلاوت کے ذریعے سے کی جائے تو یہ کلام وحدتِ فکر وعمل کی وہ روشنی اپنے پڑھنے والوں کو عطا کرتا ہے کہ جس کے اجالوں سے اختلاف وافتراق کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ اسی کلام کی بدولت قلوب ایمان کے نور سے جگمگا اٹھتے ہیں اور ایمان سے منور قلوب لازماً ایک دوسرے کی طرف شدید کشش اور میلان محسوس کرتے ہیں۔ پھر ایمان واِخلاص کی بنیاد پر پیدا ہونے والا یہ میلان اور یہ محبت ترقی کرتے کرتے اس کیفیت کو پہنچ جاتی ہے کہ دنیا کے باقی سب تعلقات اور محبتیں اس کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔ اس طرح یہ کلام اپنے ساتھ اعتصام کا اہتمام کرنے والوں کو ایک پختہ اور بامقصد اجتماعیت کی شکل دے کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تیار کر دیتا ہے۔ صد افسوس کہ ہم اکثر و بیشتر قرآن سے دوری کی وجہ سے جہاں متاعِ یقین اور وحدتِ مقصدیت سے محروم ہوتے چلے گئے وہیں نتیجتاً باہمی الفت ومحبت کے جذبات سے بھی تہی دست ہوتے چلے گئے۔ اس وقت ہم جس انتشار وافتراق کی کیفیت سے دوچار ہیں' وہ ہمارے اسی (کسی نہ کسی درجہ میں) ہجرانِ قرآن کا نتیجہ ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور ان کے بعد مولانا مفتی محمد شفیعؒ ایسے اکابر اُمت کی تشخیص یہی ہے۔ (بحوالہ وحدتِ امت)

حقوق کی ادائیگی

دوسرا اہم معاملہ مسلمان بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی کا ہے۔ حضرتِ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں بڑی تاکید کے ساتھ اس کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اپنے ایک ارشاد میں ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان بھائی پر چھ حقوق بیان فرمائے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((حَقُّ الْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ: أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ ، وَيُشَمِّتَهُ اِذَا عَطَسَ، وَاِنْ دَعَاهُ أَنْ يُجِيبَهُ ، وَاِذَا مَرِضَ أَنْ يَعُودَهُ ، وَاِذَا مَاتَ أَنْ يَشْهَدَهُ ، وَاِذَا غَابَ أَنْ يَنْصَحَ لَهُ))(۳)

''ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں: ملاقات ہو تو اسے سلام کرے' وہ چھینکے تو اس کا جواب دے' دعوت دے تو اسے قبول کرے' بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے' مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے اور پیٹھ پیچھے اس کی خیر خواہی کرے۔''

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اسی بات کی تعلیم یوں فرمائی ہے کہ:

((خَمْسٌ تَجِبُ لِلْمُسْلِمِ عَلٰى أَخِيْهِ: رَدُّ السَّلَامِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَازَةِ))(۴)

''پانچ چیزیں مسلمان پر اپنے مسلمان بھائی کے لیے واجب ہیں: سلام کا جواب دینا' چھینکنے والے کا جواب دینا' دعوت قبول کرنا' مریض کی عیادت کرنا' جنازہ کے پیچھے چلنا۔''

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں مزید جامع انداز میں اس رشتہ اخوت کے تقاضوں کو بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ مِنَ الْمَعْرُوْفِ سِتٌّ: يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ ، وَيُشَمِّتُهُ اِذَا عَطَسَ ، وَيَعُوْدُهُ اِذَا مَرِضَ، وَيُجِيْبُهُ اِذَا دَعَاهُ ، وَيَشْهَدُهُ اِذَا تُوُفِّيَ ، وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ ، وَيَنْصَحُ لَهُ بِالْغَيْبِ))(۵)

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ معروف حقوق ہیں: جب ملاقات ہو تو اسے سلام کرے' جب وہ چھینکے تو اسے جواب دے (یَرْحَمُكَ اللّٰه کہے)' جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے' جب دعوت دے تو قبول کرے' جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے' اپنے لیے جو پسند کرتا ہے اس کے لیے بھی وہی پسند کرے' اور اس کی غیر موجودگی میں اس کا خیر خواہ رہے۔''

مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ سے بلا تفریق و تفاوت دنیا کے تمام مسلمانوں سے متعلق 'حقوقِ مسلم' کا ایک نہایت عظیم الشان تصور سامنے آتا ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنے دیگر ارشادات میں ان کی مزید تشریح و توضیح بھی فرمائی ہے۔

مندرجہ بالا حقوق کی تفصیل وشرح تین عنوانات کے تحت مزید احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں درج کی جاتی ہے۔

ا: محبت وربط

اس عنوان کے تحت اپنے مسلمان بھائیوں سے خالصتاً اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرنا' ان سے ملاقات کے لیے جانا' ان کے بیمار ہونے پر ان کی عیادت کرنا' ملاقات کے وقت اجنبی وشناسا' ہر دو کو سلام کرنا اور خیریت دریافت کرنا جیسے امور سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا بیان آئے گا۔ چنانچہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کے لیے جانا بہت فضیلت اور عظیم اجروثواب کا موجب بننے والا عمل ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ عمل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو انتہائی محبوب ہے۔ اس حوالے سے چند احادیثِ مبارکہ درج ذیل ہیں:

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :((خَرَجَ رَجُلٌ يَزُوْرُ أَخًا لَهُ فِی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ قَرْيَةٍ أُخْرٰی' فَأَرْصَدَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِمَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا، فَلَمَّا مَرَّ بِهٖ قَالَ:أَيْنَ تُرِيْدُ؟ قَالَ:أُرِيْدُ فُلَانًا، قَالَ لِقَرَابَةٍ؟ قَالَ: لَا ، قَالَ:فَلِنِعْمَةٍ لَهُ عِنْدَكَ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ:فَلِمَ تَأْتِيْهِ؟ قَالَ:اِنِّیْ أُحِبُّهُ فِی اللّٰهِ ، قَالَ:فَاِنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكَ أَنَّهُ يُحِبُّكَ بِحُبِّكَ اِيَّاهُ فِيْهِ))(٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی اپنے دینی بھائی سے ملاقات کے لیے' جو دوسری بستی میں رہتا تھا' روانہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو بٹھا دیا۔ جب وہ فرشتے کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ فلاں آدمی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا: کیا تم دونوں کے درمیان کوئی رشتہ داری ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرشتے نے پوچھا کہ کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے جسے تم پال رہے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرشتے نے پوچھا: پھر تم اس کے پاس کیوں جا رہے ہو؟ اُس نے کہا: میں اس سے اللہ کی رضا کے لیے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں اللہ کے پاس سے تیری طرف قاصد بن کر آیا ہوں کہ اس بھائی کے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے اللہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔''

حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوا کہ اپنے بھائی سے خالص اللہ کی رضا جوئی کے لیے محبت کرنا اور اسی خاطر اس سے ملاقات کے لیے جانا ایسا عمل ہے کہ جس کے باعث بندۂ مؤمن کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت جیسی عظیم نعمت حاصل ہوتی ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت کرنا' اس وصف کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی تکمیل کی علامت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ وَأَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيمَانَ))(٧)

''جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کی' اللہ کی وجہ سے نفرت کی اور اللہ ہی کی خاطر مال دیا اور اللہ ہی کی خاطر مال روکا تو بیشک اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رضا وقرب کی خاطر اپنے مسلمان بھائیوں سے خلوص واخلاص کے ساتھ محبت کا تعلق قائم کرنا' اللہ کی محبت کے وجوب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ درج ذیل حدیثِ قدسی میں اسی اہم بات کی وضاحت

ہمارے سامنے آتی ہے۔

عَنْ أَبِی اِدْرِیْسَ الْخَوْلَانِیِّ قَالَ: دَخَلْتُ مَسْجِدَ دِمَشْقِ الشَّامِ فَاِذَا أَنَا بِفَتًی بَرَّاقِ الثَّنَایَا وَاِذَا النَّاسُ حَوْلَهُ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِیْ شَیْءٍ أَسْنَدُوْهُ اِلَیْهِ وَصَدَرُوْا عَنْ رَأْیِهٖ ، فَسَأَلْتُ عَنْهُ فَقِیْلَ هٰذَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، فَلَمَّا کَانَ الْغَدُ هَجَّرْتُ فَوَجَدْتُ قَدْ سَبَقَنِیْ بِالْهَجِیْرِ [وَقَالَ اِسْحَاقُ بِالتَّهْجِیْرِ] وَوَجَدْتُهُ یُصَلِّیْ، فَانْتَظَرْتُهُ، حَتّٰی اِذَا قَضٰی صَلَاتَهُ جِئْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهٖ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ، فَقُلْتُ لَهُ: وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَأُحِبُّكَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَقَالَ: أَاللّٰهِ؟ فَقُلْتُ: أَاللّٰهِ! فَقَالَ: أَاللّٰهِ؟ فَقُلْتُ: أَاللّٰهِ! فَأَخَذَ بِحُبْوَةِ رِدَائِیْ فَجَبَذَنِیْ اِلَیْهِ، وَقَالَ: أَبْشِرْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ))(۸)

''ابوادریسؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا' وہاں ایک نوجوان اور کم عمر صحابیؓ بھی تھے۔ ان کا رنگ کھلتا ہوا' بڑی اور سیاہ آنکھیں اور چمکدار دانت تھے۔ جب لوگوں میں کوئی اختلاف ہوتا اور وہ کوئی بات کہہ دیتے تو لوگ ان کی بات کو حرف آخر سمجھتے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگلے دن میں بہت جلدی گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے بھی پہلے (مسجد میں) موجود ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے ان کا انتظار کیا' یہاں تک کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا اور عرض کیا: بخدا! میں اللہ کے جلال کی وجہ سے آپ سے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے دوبار قسم دے کر پوچھا: واقعی؟ میں نے بھی قسم کھا کر جواب دیا۔ انہوں نے میری چادر کا پلو پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: تمہیں خوشخبری ہو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری محبت ان لوگوں کے لیے طے شدہ ہے جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' میری وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں' میری وجہ سے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں' اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔''

اس حدیث قدسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے تعلق خاطر رکھنا کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اپنے مسلمان بھائی سے یہی تعلق اور ملاقات اس وقت اور بھی اجر و ثواب کا باعث بن جاتی ہے جب وہ کسی تکلیف و پریشانی کا شکار ہو اور اس کی حوصلہ افزائی' تسلی اور ڈھارس بندھانے کے لیے اس سے ملاقات کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بیماری کی کیفیت میں عیادت کی غرض سے ملاقات کرنے کی حضرت رسول اللہ ﷺ نے بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

((مَنْ أَتٰی أَخَاهُ الْمُسْلِمَ عَائِدًا مَشٰی فِیْ خَرَافَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰی یَجْلِسَ، فَاِذَا جَلَسَ غَمَرَتْهُ الرَّحْمَةُ، فَاِنْ کَانَ غُدْوَةً صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُمْسِیَ، وَاِنْ کَانَ مَسَاءً صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُصْبِحَ))(۹)

''جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے آ رہا ہو تو وہ جنت میں چل رہا ہے یہاں تک کہ بیٹھ جائے'

اور جب وہ بیٹھ جائے تو رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اگر صبح کا وقت ہو تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت و بخشش کی دعا کرتے ہیں' اور اگر شام کا وقت ہو تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔''

حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے بھائی کی خبر گیری اور تسلی کے لیے چل کر آنے' اُس کے پاس بیٹھنے اور اس کے نتیجے میں فرشتوں کی طرف سے دعائے مغفرت کی صورت میں کیسا عظیم اجر بندۂ مؤمن کو عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیثِ مبارکہ میں حضرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو جہنم سے بچاؤ اور دوری کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَعَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِبًا بُوْعِدَ مِنْ جَهَنَّمَ مَسِيْرَةَ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا))(۱۰)

''جس نے تمام آداب و شرائط کے ساتھ وضو کیا اور محض اجر و ثواب کی خاطر اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو وہ دوزخ سے ستر خریف کے برابر دُور کر دیا جاتا ہے۔''

اس حدیث کے راوی ثابت کہتے ہیں کہ میں نے ابوحمزہ یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ خریف کس کو کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا سال کو۔''

اسی طرح ایک اور ارشادِ مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کے دوران مشغولیت کو جنت کی وادیوں کی سیر کے مترادف قرار دیا ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَرْجِعَ))(۱۱)

''مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ واپس آنے تک جنت کے میوہ زار میں رہتا ہے۔''

جبکہ ایک دوسری حدیث مبارکہ میں اس بات کا ذکر فرمایا کہ یہ عمل کامیابی دلانے والا اور جنت میں لے جانے والا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا زَارَ الْمُسْلِمُ أَخَاهُ فِي اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَوْ عَادَهُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: طِبْتَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلاً))(۱۲)

''جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات یا بیمار پرسی کے لیے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تو کامیاب ہو گیا اور تو نے جنت میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔''

اگلی بات یہ کہ ملاقات کے وقت اپنے مسلمان بھائی کی خدمت میں سلام کا ہدیہ و تحفہ پیش کرنے کی بھی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس بارے میں ایک حدیث ملاحظہ ہو:

عَنِ الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ، أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ ، وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ ، وَاِبْرَارِ الْقَسَمِ ، وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ ، وَاِفْشَاءِ السَّلَامِ ، وَاِجَابَةِ الدَّاعِي ، وَنَهَانَا عَنْ خَوَاتِيْمِ الذَّهَبِ، وَعَنْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ، وَعَنِ الْمَيَاثِرِ، وَالْقَسِّيَّةِ، وَالْاِسْتَبْرَقِ ، وَالدِّيْبَاجِ))(۱۳)

''براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کا حکم دیا اور سات سے منع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان باتوں کا حکم فرمایا: جنازہ کے ساتھ جانا' چھینکنے والے کا جواب دینا' قسم کو پورا کرنا' بیمار کی عیادت کرنا' مظلوم کی مدد کرنا' سلام کرنا اور دعوت قبول کرنا۔ اور ان چیزوں سے منع فرمایا: سونے کی انگوٹھی' چاندی کے برتن' ریشمی گدے جو سوار گھوڑے پر ڈالتے ہیں' ریشمی پارچہ جات' کتان' استبرق' خالص ریشم۔''

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا اہتمام کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صدقہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامَى مِنَ ابْنِ آدَمَ صَدَقَةٌ ، تَسْلِيْمُهُ عَلٰى مَنْ لَقِيَ صَدَقَةٌ))(١٤)

''جب صبح ہوتی ہے تو آدمی کے ایک ایک پور پر صدقہ لازم ہے' کسی سے مل کر سلام کرنا بھی ایک صدقہ ہے۔''

جبکہ ایک اور ارشادِ مبارک میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو خیر اسلام قرار دیا ہے اور ہر مسلمان کو' خواہ شناسا ہو یا اجنبی' سلام کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ))(١٥)

''تمہارا کھانا کھلانا اور تمہارا ہر شخص کو سلام کرنا خواہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں۔''

اس ارشادِ مبارک سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرتِ سلام سے متعلق کیسی تعلیم اپنی امت کو مرحمت فرمائی ہے۔ اس ضمن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اِذَا لَقِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ حَالَتْ بَيْنَهُمَا شَجَرَةٌ أَوْ جِدَارٌ أَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِيَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ أَيْضًا(١٦)

''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے' پھر اگر ان کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر وغیرہ حائل ہو جائے اور دوبارہ ملاقات ہو تو اسے پھر سے سلام کرے۔''

تیسری بات یہ ہے کہ ملاقات کے وقت اپنے بھائی سے مصافحہ کرنا گناہوں کی بخشش و مغفرت کا ذریعہ بنتا ہے۔ ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے مجھے سلام کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مسکرانے لگے۔ پھر فرمایا: تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ اس طرح کیوں کیا؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں' البتہ آپ نے خیر کے ارادے سے ہی ایسا کیا ہوگا۔ انہوں نے فرمایا:

اِنَّهُ لَقِيَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَفَعَلَ بِيْ مِثْلَ الَّذِيْ فَعَلْتُ بِكَ، فَسَأَلَنِيْ فَقُلْتُ مِثْلَ الَّذِيْ قُلْتَ لِيْ، فَقَالَ: ((مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيُسَلِّمُ أَحَدُهُمَا عَلٰى صَاحِبِهِ وَيَأْخُذُ بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُهُ اِلَّا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَفَرَّقَانِ حَتّٰى يُغْفَرَ لَهُمَا))(١٧)

''ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ بھی اسی طرح کیا تھا اور مجھ سے بھی یہی سوال پوچھا تھا اور میں نے بھی تمہارے والا جواب دیا تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کو سلام کرتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑتا ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو تو جب وہ دونوں جدا ہوتے ہیں تو ان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔''

چوتھی بات یہ کہ ملاقات کے موقع پر خیریت دریافت کرنا اور دعا دینا بھی حضرت رسول اللہ ﷺ کی سنت اور مبارک تعلیم ہے۔ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ؓ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَلْقٰى رَجُلًا فَيَقُوْلُ: ((يَا فُلَانُ كَيْفَ أَنْتَ؟)) فَيَقُوْلُ: بِخَيْرٍ أَحْمَدُ اللّٰهَ ، فَيَقُوْلُ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: ((جَعَلَكَ اللّٰهُ بِخَيْرٍ))، فَلَقِيَهُ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ: ((كَيْفَ أَنْتَ يَا فُلَانُ؟)) فَقَالَ: بِخَيْرٍ اِنْ شَكَرْتُ، قَالَ فَسَكَتَ عَنْهُ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّكَ كُنْتَ تَسْأَلُنِيْ فَتَقُوْلُ: جَعَلَكَ اللّٰهُ بِخَيْرٍ، وَاِنَّكَ الْيَوْمَ سَكَتَّ عَنِّيْ، فَقَالَ لَهُ: ((اِنِّي كُنْتُ أَسْأَلُكَ فَتَقُوْلُ بِخَيْرٍ أَحْمَدُ اللّٰهَ ، فَأَقُوْلُ جَعَلَكَ اللّٰهُ بِخَيْرٍ، وَاِنَّكَ الْيَوْمَ قُلْتَ اِنْ شَكَرْتُ، فَشَكَكْتُ فَسَكَتُّ عَنْكَ))(۱۸)

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی جب بھی نبی اکرم ﷺ کو ملتا تو آپ ﷺ اس سے دریافت فرماتے: ''تمہارا کیا حال ہے؟'' وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا کہ میں الحمد للہ خیریت سے ہوں۔ نبی ﷺ اسے جواباً فرما دیتے کہ ''اللہ تمہیں خیریت ہی سے رکھے''۔ ایک دن جب نبی ﷺ کی اس سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے حسبِ معمول اس سے پوچھا کہ ''تمہارا کیا حال ہے؟'' اس نے جواب دیا کہ خیریت سے ہوں بشرطیکہ شکر کروں۔ اس پر نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! پہلے تو جب آپ مجھ سے میرا حال دریافت فرماتے تھے تو مجھے دعا دیتے تھے کہ اللہ تمہیں خیریت سے رکھے' آج آپ خاموش ہو گئے! نبی ﷺ نے فرمایا: ''پہلے میں تم سے سوال کرتا تھا تو تم کہتے تھے کہ الحمد للہ! خیریت سے ہوں۔ اس لیے میں جواباً کہہ دیتا تھا کہ اللہ تمہیں خیریت سے رکھے۔ لیکن آج تم نے کہا کہ اگر میں شکر کروں' تو مجھے شک ہو گیا' اس لیے میں خاموش ہو گیا۔''

اسی طرح ملاقات کے موقع پر اگر مسلمان بھائی خاطر تواضع کے لیے کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کرے تو اس کی محبت کا خیال رکھتے ہوئے اسے تناول کرنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ عَلٰى أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ فَأَطْعَمَهُ طَعَامًا فَلْيَأْكُلْ مِنْ طَعَامِهِ وَلَا يَسْأَلْهُ عَنْهُ، فَاِنْ سَقَاهُ شَرَابًا مِنْ شَرَابِهِ فَلْيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهِ وَلَا يَسْأَلْهُ عَنْهُ))(۱۹)

''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اسے کھانا کھلائے تو جانے والے کو کھا لینا چاہیے' البتہ خود سے سوال نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر پینے کے لیے کوئی چیز دی جائے تو پی لینی چاہیے' البتہ خود سے سوال نہیں کرنا چاہیے۔''

ب: دعا کا اہتمام

اس عنوان کے تحت مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی کے ضمن میں ان کے لیے دعاؤں کے اہتمام کی جو تعلیم

ہمارے دین میں وارد ہوئی ہے' اس کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے افرادِ اُمت کو اس بات کی خصوصی تاکید فرمائی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں دعائے خیر کا مسلسل اہتمام کرتے رہیں۔ اس کی اہمیت واضح کرنے کے لیے یہی بات کافی ہے خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کلام میں ان الفاظ کی باقاعدہ تعلیم فرمائی ہے کہ جن کے ذریعے بالخصوص صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بقیہ افرادِ امت کے لیے بالعموم دعائے خیر کا اہتمام کرنا مطلوب ہے۔ چنانچہ سورۃ الحشر میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس مضمون کو ذکر فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝۱۰﴾ (الحشر)

''اور جو ان کے بعد آئے وہ دعا کرتے ہیں کہ پروردگار! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ وحسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا' بہت مہربان ہے۔''

حضرتِ رسول اللہ ﷺ نے دعاؤں کا اہتمام کرنے کی تعلیم کی وضاحت ہی میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے کہ اگر کسی مسلمان بھائی کو چھینک آجائے تو سامنے والے مسلمان کو اس موقع پر کن الفاظ میں دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ ادب نبی اکرم ﷺ کے درج ذیل ارشاد سے واضح ہے' جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، فَاِذَا قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَهُ أَخُوْهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَاِذَا قِيْلَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ))(۲۰)

''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہے۔ دوسرا مسلمان بھائی اس سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سن کر اسے يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے' پھر چھینکنے والا اس کے جواب میں يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ کہے۔''

بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پہلو کو کس قدر اہمیت دیتے ہوئے اُمت کے سامنے تفصیل سے بیان فرمایا ہے تاکہ اس کی بدولت باہمی الفت ومحبت کے جذبہ کو جلا ملتی رہے۔ اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کے لیے کسی بھی موقع پر دعا کرنے کی عمومی فضیلت بھی بیان فرمائی۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ آمِيْنَ وَلَكَ بِمِثْلٍ))(۲۱)

''جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہی چیز تجھے بھی مرحمت فرمائے۔''

اس حدیثِ مبارکہ سے بھی اپنے مسلمان بھائی کے لیے دعا کرنے کی فضیلت خوب اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ یہ عمل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو اتنا محبوب ہے کہ اس کی بدولت دعا کرنے والے کو وہی خیر مرحمت فرمایا جاتا ہے جس کی درخواست وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے بھائی کے لیے پیش کر رہا ہوتا ہے۔

اسی طرح کسی مسلمان کے انتقال کے موقع پر اس کی نمازِ جنازہ میں شریک ہو کر اس کی مغفرت کے لیے دعا

کرنے پر دعا کرنے والے اور میت دونوں کو رب العالمین اجرِ عظیم عطا فرماتے ہیں۔ ذیل میں اس سے متعلق نبی اکرم ﷺ کے ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهٗ قِيْرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ)) قِيْلَ: وَمَا الْقِيْرَاطَانِ؟ قَالَ: ((مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيْمَيْنِ)) انْتَهٰى حَدِيثُ أَبِي الطَّاهِرِ وَزَادَ الْآخَرَانِ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ قَالَ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي عَلَيْهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَلَمَّا بَلَغَهُ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: **لَقَدْ ضَيَّعْنَا قَرَارِيطَ كَثِيْرَةً** (۲۲)

''جو آدمی جنازہ میں حاضر ہوا یہاں تک کہ نماز جنازہ ادا کی تو اس کے لیے ایک قیراط ثواب ہے' اور جو اس کے دفن تک موجود رہا اس کے لیے دو قیراط ثواب ہے''۔ عرض کیا گیا: دو قیراط کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو بڑے پہاڑوں کی مانند''۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ پڑھا کر واپس آ جایا کرتے تھے۔ جب ان کو حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہنچی تو فرمایا: ''ہم نے بہت سے قیراط ضائع کر دیے۔''

اسی طرح ایک اور حدیثِ مبارکہ میں اس بات کا ذکر فرمایا کہ مسلمانوں کی دعائے مغفرت کس طرح میت کے لیے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں معافی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ حضرت کریبؒ مولیٰ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک بیٹے کا مقامِ قدید یا عسفان میں انتقال ہو گیا تو آپؓ نے فرمایا: کریب! دیکھو اس کے لیے کتنے لوگ جمع ہوئے ہیں؟ میں نکلا تو لوگ جمع ہو چکے تھے۔ میں نے ان کو اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا: تمہارے اندازے میں وہ چالیس ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں! ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میت نکال لاؤ' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيهِ)) (۲۳)

''جو کوئی مسلمان فوت ہو جائے اور اس کے جنازہ پر چالیس ایسے آدمی شریک ہو جائیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ ہوں تو اللہ ان کی سفارش اس میت کے حق میں قبول فرماتے ہیں۔''

ج: خیر خواہی

اگلی اہم بات مسلمانوں کے حقوق کے حوالے سے ان کی خیر خواہی ہے۔ اس حوالے سے کثرت سے احادیثِ مبارکہ میں اس امر کی اہمیت وضرورت اور اس کا اجر وثواب بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیثِ مبارکہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ)) ثَلَاثَ مِرَارٍ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنْ؟ قَالَ: ((لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ)) (۲۴)

''دین تو بس نصیحت ہے''۔ تین مرتبہ فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ' اُس کی کتاب' مسلمان اہلِ اقتدار اور عام مسلمانوں کے لیے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے اخلاص و وفاداری اور خیر خواہی کے رویے کو ہی حاصلِ دین قرار دیا ہے۔ اگر توجہ موضوع کی مناسبت سے مسلمانوں کی خیر خواہی پر مرکوز رکھی جائے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دیگر ارشادات میں اس کو انتہائی اہم قرار دیتے ہوئے' سلبی و ایجابی' ہر دو پہلو کی مناسبت سے تفصیلی رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ یہ وہ امر ہے کہ جس پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض سے بیعت بھی لی ہے۔ چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى اِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِلْمُسْلِمِ (۲۵)

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز قائم کرنے' زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کا رویہ اپنانے پر بیعت کی۔''

اس خیر خواہی کا اظہار کن کن طریقوں سے مطلوب ہے؟ اس حوالے سے بھی آپ ﷺ نے رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ چند احادیثِ مبارکہ اس حوالے سے پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ)) (۲۶)

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے (دوسرے مسلمان) بھائی کے واسطے وہی بات نہ چاہے جو اپنے واسطے چاہتا ہے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں ایک بندۂ مؤمن کے ایمان کی تکمیل کی ایک علامت اپنے مسلمان بھائیوں کی ایسی خیر خواہی و ہمدردی کے جذبے کو قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اپنے بھائی کے لیے بھی ہر اُس خیر کو پسند کیا جانا چاہیے جو وہ اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہو۔ چنانچہ اسی خیر خواہی کا ایک مظہر یہ بھی قرار دیا گیا کہ ہر حال میں اپنے مسلمان بھائی کو ہلاکت اور ظلم سے بچانے اور روکنے کی کوشش کی جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا)) قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! هٰذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُوْمًا، فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: ((تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ)) (۲۷)

''اپنے ظالم یا مظلوم بھائی کی مدد کرو!'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتا ہے' ظالم کی مدد کیسے کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُس کا ہاتھ پکڑ لو (یعنی اسے ظلم سے روکو)۔''

اسی خیر خواہی کی وضاحت آپ ﷺ نے ایک اور ارشادِ مبارکہ میں فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۲۸)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے' وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے کسی ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ جو آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ اس کی ضرورت پوری فرماتا ہے' اور جو آدمی اپنے

کسی مسلمان بھائی سے کوئی مصیبت دور کرے گا تو قیامت کے دن اللہ عزوجل اس کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا۔ اور جو آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیثِ مبارکہ میں اس رشتہ اخوت اور خیر خواہی کے تقاضوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا:

((لَا تَحَاسَدُوْا، وَلَا تَنَاجَشُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ وَلَا يَحْقِرُهٗ، اَلتَّقْوٰى هَاهُنَا وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ))(۲۹)

''آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، دھوکہ نہ دو، بغض نہ رکھو، قطع تعلقی نہ کرو، اور تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر اپنی بیع نہ کرے، اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس پر ظلم نہیں کرتا، اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، اس کی تحقیر نہیں کرتا۔ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ (پھر آپؐ نے فرمایا:) کسی مسلمان کے برا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت و آبرو حرام (قابلِ احترام) ہے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں مزید تفصیل سے خیر خواہی کے تقاضوں کو بیان کیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ تقویٰ کی حقیقت کی تفہیم کے لیے بھی یہ ارشادِ مبارک ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس رشتہ اخوت اور خیر خواہی کے تقاضوں کی ادائیگی کے لیے ایک مسلمان کے دل کا تقویٰ کے وصف سے متصف ہونا ضروری ہے۔

اس خیر خواہی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے حوالے سے چند مزید احادیثِ مبارکہ بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيْكَ فَيَرْحَمَهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ))(۳۰)

''اپنے مسلمان بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ اُس پر رحم کرے گا اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے گا۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسلمان بھائی کو کسی بھی طرح کی مصیبت و مشکل سے دوچار دیکھ کر خوشی کا اظہار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ یہ رویہ خیر خواہی کی مطلوبہ کیفیت کے منافی ہے۔ اس کیفیت میں ایک مسلمان کو کرنا یہ چاہیے کہ اپنے مسلمان بھائی کی مشکل کشائی کے لیے دعا کرے، اور اس کے بعد عملی طور پر جو کچھ کر سکتا ہے وہ کرنے کی پوری کوشش کرے۔ اس طرزِ عمل پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قرب و نصرت، اجرِ عظیم اور قیامت میں آسانیوں کے حصول کی بشارتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَلٰى مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ أَخِيْهِ)) (۳۱)

''جو (مسلمان) آدمی کسی مسلمان سے دُنیوی مصائب میں سے کوئی مصیبت دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور فرمائے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں رہے۔''

اس حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک اور اہم امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے' یعنی اپنے کسی مسلمان بھائی کا کوئی عیب ہمارے علم میں آ جائے تو عام حالات میں اس کو اِخفاء میں رکھتے ہوئے اصلاحِ احوال کے لیے دعا اور کوشش جاری رکھی جائے۔ جبکہ کئی احادیثِ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے عیوب کی پردہ دری کرنے کا طرزِ عمل اختیار کرنے والے پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ كَشَفَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ حَتّٰى يَفْضَحَهُ بِهَا فِي بَيْتِهِ)) (۳۲)

''جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عیب پوشی کی اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی عیب پوشی فرمائے گا' اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ دری کی اللہ تعالیٰ اس کی پردہ دری فرمائے گا' یہاں تک کہ اسے گھر بیٹھے رسوا کر دے گا۔''

ایک اور ارشاد میں خطبہ دیتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کا خیال نہ رکھنے کے طرزِ عمل پر تنبیہ فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيمَانُ إِلٰى قَلْبِهِ! لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ)) (۳۳)

''اے لوگوں کے وہ گروہ جو صرف زبانوں سے اسلام لائے ہیں اور ایمان ان کے دلوں میں نہیں پہنچا! مسلمانوں کو اذیت نہ دو' انہیں عار نہ دلاؤ اور ان میں عیوب مت تلاش کرو' کیونکہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عیب گیری کرتا ہے' اور جس کی عیب گیری اللہ تعالیٰ کرنے لگے اسے وہ ذلیل کر دے گا' اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔''

اگر کسی مسلمان کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی عیب جوئی اور پردہ دری کی جا رہی ہو تو اسے خاموش نہیں رہنا چاہیے بلکہ اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کرنا چاہیے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))(۳۴)

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اس سے قیامت کے دن جہنم کی آگ کو دور کرے۔''

اسی طرح اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح کے لیے پرخلوص کوششیں کرتے رہنا بھی اسی خیر خواہی کا حصہ ہے۔ ایک ارشادِ مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے مسلمان بھائی کو مفید بات کی تعلیم دینے کو افضل صدقہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَنْ يَتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْمًا ثُمَّ يُعَلِّمَهُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ))(۳۵)

''بہترین صدقہ یہ ہے کہ مسلمان شخص علم حاصل کر کے اپنے مسلمان بھائی کو سکھا دے۔''

علم کا سیکھنا اور پھر اس کا دوسرے بھائیوں کو سکھانا' وہ صدقہ ہے کہ جس کا ایصالِ اجر ایک مسلمان کی وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ بلاشبہ علوم میں سب سے افضل علم' دین و قرآن کا علم ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے اس علم کے سیکھنے سکھانے والوں کو اپنی امت کے بہترین افراد قرار دیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))(۳۶)

''تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جو قرآن سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ اَفرادِ اُمت کو علم نہ رکھنے والے مسلمان بھائیوں کے ساتھ علم سکھانے اور ان کی اصلاح کرنے کے دوران انتہائی شفقت و محبت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ حدیث مبارکہ درج ذیل ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلَ أَعْرَابِيٌّ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فَقَالَ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِمُحَمَّدٍ وَلَا تَغْفِرْ لِأَحَدٍ مَعَنَا، فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ: ((لَقَدِ احْتَظَرْتَ وَاسِعًا)) ثُمَّ وَلّٰى حَتّٰى إِذَا كَانَ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَشَجَ يَبُوْلُ، فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ بَعْدَ أَنْ فَقِهَ: فَقَامَ إِلَيَّ بِأَبِيْ وَأُمِّيْ فَلَمْ يُؤَنِّبْ وَلَمْ يَسُبَّ، فَقَالَ: ((إِنَّ هٰذَا الْمَسْجِدَ لَا يُبَالُ فِيْهِ، وَإِنَّمَا بُنِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَلِلصَّلَاةِ)) ثُمَّ أَمَرَ بِسَجْلٍ مِنْ مَاءٍ فَأُفْرِغَ عَلٰى بَوْلِهِ(۳۷)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک دیہاتی مسجد میں داخل ہوا اور (دعا میں) کہا: اے اللہ! میری اور محمد (ﷺ) کی بخشش فرما دیجئے اور ہمارے ساتھ (یعنی میرے اور محمد ﷺ کے) کسی اور کو نہ بخشئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور ارشاد فرمایا ''تم نے وسیع چیز (اللہ عزوجل کی وسیع رحمت مراد ہے) کے گرد باڑ لگا دی اور اسے تنگ کر دیا''۔ پھر وہ دیہاتی پیٹھ پھیر کر چلا' اور جب مسجد کے ایک گوشہ میں پہنچا تو ٹانگیں پھیلا کر پیشاب کرنے لگا۔ پھر دین کی سمجھ آنے کے بعد (یہ قصہ بیان کر کے) دیہاتی نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں' مجھے نہ تو آپ ﷺ نے

ڈانٹا' نہ برا بھلا کہا' صرف یہ فرمایا کہ ''یہ مسجد پیشاب کی جگہ نہیں ہے' بلکہ یہ اللہ کے ذکر اور صلاۃ کے لیے بنائی گئی ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا اور وہ پانی اس کے پیشاب پر بہا دیا گیا۔''

حدیثِ مبارکہ سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے طبعی نقصان سے بچانے کی غرض سے دورانِ پیشاب اس اعرابی کو روکنے سے احتراز فرمایا' اس کی فراغت کے بعد پانی بہانے کا حکم ارشاد فرمایا اور اس کی اصلاح بھی فرمائی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنے بھائیوں کی خیر خواہی سے متعلق ان کی کیسی عظیم الشان تربیت فرمائی تھی۔ جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا دیا۔ چونکہ ابھی پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا تو حضرت اُمّ درداء رضی اللہ عنہا نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو ابودرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں بتایا کہ وہ عبادات میں غیر معمولی مجاہدہ کرتے ہیں اور اس وجہ سے دیگر حق داروں کے حقوق کی ادائیگی میں حرج واقع ہوتا ہے۔ اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بڑے حکیمانہ طریقے سے ابودرداء رضی اللہ عنہ کو متوجہ کیا اور خیر خواہی کا وہ عملی نمونہ پیش فرمایا جو قیامت تک آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِیْ جُحَیْفَةَ عَنْ أَبِیهِ قَالَ آخَی النَّبِیُّ ﷺ بَیْنَ سَلْمَانَ وَأَبِی الدَّرْدَاءِ، فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، فَرَأَی أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً، فَقَالَ لَهَا: مَا شَأْنُكِ؟ قَالَتْ: أَخُوْكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَیْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِی الدُّنْیَا، فَجَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا، فَقَالَ كُلْ، قَالَ فَإِنِّی صَائِمٌ، قَالَ مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتّٰی تَأْكُلَ، قَالَ فَأَكَلَ، فَلَمَّا كَانَ اللَّیْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ یَقُوْمُ، قَالَ نَمْ، فَنَامَ، ثُمَّ ذَهَبَ یَقُوْمُ، فَقَالَ نَمْ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ قَالَ سَلْمَانُ قُمِ الْآنَ، فَصَلَّیَا، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَلِنَفْسِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِی حَقٍّ حَقَّهُ، فَأَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ ((صَدَقَ سَلْمَانُ))(۳۸)

''عون بن ابی جحیفہؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے سلمان اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ کرا دیا تھا۔ سلمانؓ ابودرداءؓ سے ملاقات کو گئے تو اُمّ درداء رضی اللہ عنہا کو بہت پریشان حال پایا۔ ان سے پوچھا: کیا بات ہے؟ انہوں نے جواب دیا: تمہارے بھائی ابودرداء کو دنیا سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ پھر ابودرداءؓ آئے تو سلمانؓ کے لیے کھانا تیار کیا اور کہا کہ کھاؤ! (پھر اپنے بارے میں بتایا کہ) میں تو (نفلی) روزے سے ہوں۔ انہوں نے کہا: میں تو نہیں کھاؤں گا جب تک تم نہ کھاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے کھالیا۔ جب رات آئی تو ابودرداءؓ اٹھے تاکہ عبادت کریں۔ سلمانؓ نے کہا: سوئے رہو! چنانچہ وہ سو گئے۔ پھر عبادت کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا: سوئے رہو! جب رات کا آخری حصہ آیا تو سلمانؓ نے کہا کہ اب اٹھو۔ پھر دونوں نے نماز پڑھی۔ سلمانؓ نے ان سے کہا: تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور تمہارے بیوی بچوں کا تم پر حق ہے' اس لیے ہر مستحق کا حق ادا کرو۔ پھر ابودرداءؓ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''سلمانؓ نے درست کہا۔''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی اس حکیمانہ انداز میں اصلاح پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ یہ واقعہ ہم سب کے لیے بھی ایک روشن مثال ہے کہ ہمیں اپنے بھائیوں کی اصلاح وتربیت کے حوالے سے کس طرح فکرمند ہونا چاہیے اور اس کے لیے کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔

روشِ احسان پر عمل

اس موقع پر اگر ایسے عوامل کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے کہ جن کی بدولت انسانوں کے مابین دوریاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں تو ان میں ایک بہت اہم شے شُحِ نفس ہے۔ نفس کی کمزوری سے بچا لیے جانے کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنا خاص فضل اور فلاح وکامیابی کے لیے کلید قرار دیا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۹﴾ (الحشر)

''اور جو نفس کی لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

اس شُحِ نفس کی حقیقت کیا ہے اور اس کی وجہ سے انسانوں کے باہمی تعلقات میں کس طرح خلل واقع ہوتا ہے' سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن میں مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''بچ گئے نہیں فرمایا گیا بلکہ بچا لیے گئے ارشاد ہوا ہے' کیونکہ اللہ کی توفیق اور اس کی مدد کے بغیر کوئی شخص خود اپنے زورِ بازو سے دل کی تونگری نہیں پا سکتا۔ یہ خدا کی وہ نعمت ہے جو خدا ہی کے فضل سے کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ شُح کا لفظ عربی زبان میں کنجوسی اور بخل کے لیے استعمال ہوتا ہے' مگر جب اس لفظ کو نفس کی طرف منسوب کر کے شُح نفس کہا جائے تو یہ تنگ نظری' تنگ دلی' کم حوصلگی' اور دل کے چھوٹے پن کا ہم معنی ہو جاتا ہے جو بخل سے وسیع تر چیز ہے' بلکہ خود بخل کی بھی اصل جڑ وہی ہے۔ اسی صفت کی وجہ سے آدمی دوسرے کا حق ماننا اور ادا کرنا تو درکنار اس کی خوبی کا اعتراف تک کرنے سے جی چراتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دنیا میں سب کچھ اُسی کو مل جائے اور کسی کو کچھ نہ ملے۔ دوسروں کو خود دینا تو کجا' کوئی دوسرا بھی اگر کسی کو کچھ دے تو اس کا دل دکھتا ہے۔ اس کی حرص کبھی اپنے حق پر قانع نہیں ہوتی بلکہ وہ دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرتا ہے' یا کم از کم دل سے یہ چاہتا ہے کہ اُس کے گردوپیش دنیا میں جو اچھی چیز بھی ہے اسے اپنے لیے سمیٹ لے اور کسی کے لیے کچھ نہ چھوڑے۔ اسی بنا پر قرآن میں اس برائی سے بچ جانے کو فلاح کی ضمانت قرار دیا گیا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان بدترین انسانی اوصاف میں شمار کیا ہے جو فساد کی جڑ ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَائَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ))(۳۹)

''ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکی ہے' اور حرص سے بچو کیونکہ حرص نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے اور حرص ہی کی وجہ سے انہوں نے لوگوں کے خون بہائے اور حرام کو حلال کیا۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((اِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ، فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ، اَمَرَهُمْ

بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا، وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا))(۴۰)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''حرص سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی حرص کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ حرص نے ان کو بخل کا حکم دیا تو انہوں نے بخل کو اختیار کر لیا' اور حرص نے جب ان سے ناتہ توڑنے کا کہا تو ناتہ توڑ بیٹھے' اور جب حرص نے فسق و فجور پر ابھارا تو اس کے مرتکب ہوئے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ الْإِيمَانُ وَالشُّحُّ))(۴۱)

''ایمان اور شحِ نفس کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ))(۴۲)

''دو خصلتیں ہیں جو کسی مسلمان کے اندر جمع نہیں ہو سکتیں: ایک بخل اور دوسرا بد خلقی۔''

مندرجہ بالا وضاحت سے یہ بات نکھر کر سامنے آ گئی کہ روحِ اخوت کو بری طرح پامال کرنے والی شے شُحِ نفس ہے۔ اس خرابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی ہلاکت خیز بھی قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ، وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ، فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ: فَتَقْوَى اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالسُّخْطِ، وَالْقَصْدُ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ، وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ: فَهَوًى مُتَّبَعٌ، وَشُحٌّ مُطَاعٌ، وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ، وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ))(۴۳)

''تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں' اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کرنے والی ہیں۔ پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں: (۱) خوفِ خدا' خلوت میں اور جلوت میں' یعنی ظاہر میں اور باطن میں۔ (۲) حق بات کہنا' خوشی میں اور غصہ میں۔ اور (۳) میانہ روی اختیار کرنا' خوشحالی میں اور تنگدستی میں۔ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں: (۱) وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے۔ (۲) جی کی وہ لالچ (شح) جس کی اطاعت کی جائے۔ (۳) آدمی کی خود پسندی کی عادت' اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔''

حدیث مبارکہ میں جس طرح اس صفتِ رذیلہ کی مذمت وارد ہوئی اس کے پیشِ نظر بھی یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنے نفس کو اس سے پاک کرنے کے لیے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دعا کے ساتھ ساتھ اپنی پوری کوشش بھی کرے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم نے اس کمزوری کے متضاد کے طور پر جس وصف کا ذکر فرمایا ہے وہ صفتِ احسان ہے۔ سورۃ النحل میں اس کا حکم وارد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰﴾ (النحل)

''اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کی مدد کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور منکر اور سرکشی کے کاموں سے منع کرتا ہے' وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔''

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں احسان کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دوسری چیز احسان ہے' جس سے مراد ہے نیک برتاؤ' فیاضانہ معاملہ' ہمدردانہ رویہ' رواداری' خوش خلقی' درگزر' باہمی مراعات' ایک دوسرے کا پاس ولحاظ' دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا' اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا۔ یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرے کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے۔ عدل اگر معاشرے کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوش گواریاں اور شیرینیاں پیدا کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کر کے دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے اور اسے وصول کر کے چھوڑے' اور دوسرے کا کتنا حق ہے اور اسے بس اتنا ہی دے دے۔ ایسے ایک ٹھنڈے اور کھرے معاشرے میں کشمکش تو نہ ہوگی مگر محبت اور شکر گزاری اور عالی ظرفی اور ایثار اور اخلاص وخیر خواہی کی قدروں سے وہ محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف وحلاوت پیدا کرنے والی اور اجتماعی محاسن کو نشو ونما دینے والی قدریں ہیں۔''

چنانچہ کوشش اس بات کی ہونی چاہیے کہ شُحِ نفس سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے احسان کی روش کو اپنایا جائے۔ اسی کے نتیجے میں امید ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمارے نفوس کی اصلاح فرما دیں گے اور ہمیں اُمتِ مسلمہ میں مطلوب روحِ اخوت کو پروان چڑھانے کا ذریعہ بنا دیں گے۔

اسی طرح ایک اور اہم بات یہ ہے کہ بعض اوقات انسانوں کے مابین کسی معاملے پر آپس میں اختلاف و ناچاقی کی کیفیت بھی پیش آ جایا کرتی ہے۔ ایسی کیفیت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہدایت یہ ہے کہ:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۱۰﴾ (الحجرات)

''بے شک اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں' پس صلح کرا دو اپنے دو بھائیوں کے درمیان' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

چنانچہ یہ مسلمانوں کا نہایت اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر دو افراد کے مابین کوئی رنجش ہو جائے تو جلد از جلد اسے رفع کرانے کی کوشش کی جائے۔ اسی حوالے سے نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے ارشادات میں ہمیں رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟)) قَالُوا: بَلٰى! قَالَ: ((صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ)) (۴۴)

''کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزے' نماز اور صدقے سے افضل ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں محبت اور میل جول' اس لیے کہ آپس کا بغض تباہ کر دینے والا ہے۔''

امام مالکؒ سے مروی ہے کہ اُن تک رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پہنچا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ)) (۴۵)

''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''

پھر وہ دو افراد جن کے مابین ناراضگی واقع ہوئی ہے‘ انہیں بھی تاکید کی گئی ہے کہ اس ناراضگی کو جلد از جلد ختم کر دیں۔ حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَإِنْ كَانَ تَصَارَمَا فَوْقَ ثَلَاثٍ فَإِنَّهُمَا نَاكِبَانِ عَنِ الْحَقِّ مَا دَامَا عَلَى صُرَامِهِمَا، وَأَوَّلُهُمَا فَيْئًا فَسَبْقُهُ بِالْفَيْءِ كَفَّارَتُهُ ، فَإِنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ وَرَدَّ عَلَيْهِ سَلَامَهُ رَدَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ، وَرَدَّ عَلَى الْآخَرِ الشَّيْطَانُ، فَإِنْ مَاتَا عَلَى صُرَامِهِمَا لَمْ يَجْتَمِعَا فِي الْجَنَّةِ أَبَدًا))(۴۶)

’’کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے قطع تعلقی کیے رکھے۔ اگر دونوں ہی تین دن سے زیادہ قطع کلامی کیے رہیں تو وہ جب تک اس حال پر رہیں گے حق سے دور رہیں گے‘ اور جو پہلے رجوع کر لے گا اس کا یہ پہل کرنا اس کے لیے کفارہ بن جائے گا۔ اگر اس نے دوسرے کو سلام کیا لیکن اس نے جواب نہ دیا تو سلام کرنے والے کو فرشتے جواب دیں گے اور رد کرنے والے کو شیطان۔ اگر وہ دونوں قطع تعلقی کی حالت میں ہی مر گئے تو جنت میں کبھی اکٹھے نہ ہو سکیں گے۔‘‘

حرفِ آخر

ایمان کی کمزوری اور اپنے مقصد کی فراموشی کے باعث جہاں بحیثیتِ مجموعی اس امت میں اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں وہیں ایک ستم یہ بھی ہوا ہے کہ افرادِ اُمت کے دلوں میں اکثر و بیشتر ایک دوسرے کے لیے قدر و محبت کے جذبات خاصے ماند پڑ گئے ہیں اور اس تعلق کی جگہ کسی اور شے نے پُر کر لی ہے۔ شاید اسی کیفیت کا شکوہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا صَاحِبُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ بِأَحَقَّ مِنْ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ، ثُمَّ لَقَدْ رَأَيْتُنَا بِأَخَرَةٍ الْآنَ وَلَلدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ أَحَبُّ اِلٰى أَحَدِنَا مِنْ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ(۴۷)

’’ہم نے ایک زمانہ وہ دیکھا ہے جب ہماری نظروں میں درہم و دینار والا اپنے غریب مسلمان بھائی سے زیادہ حق دار نہ ہوتا تھا‘ اور اب ہم یہ زمانہ دیکھ رہے ہیں کہ جس میں دینار و درہم ایک مسلمان بھائی سے زیادہ عزیز ہیں۔‘‘

اس تحریر میں کوشش کی گئی ہے کہ اس مقصد کا مختصراً ذکر کرتے ہوئے اُن چیدہ چیدہ امور کی طرف احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں نشان دہی کر دی جائے‘ جنہیں ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اخوت و محبت کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے اور ان بعض پہلوؤں کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے کہ جن کی وجہ سے اس کیفیت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا کرتا ہے۔

ان چند رہنما اصولوں کی روشنی میں ہم سب کو بالعموم اور ان بھائیوں کو بالخصوص جو کسی نہ کسی شکل میں یا کسی اجتماعیت سے وابستہ ہو کر نفاذِ دین کی جدوجہد میں مصروف ہیں‘ غور کرنا چاہیے کہ اپنے مقصد کے ساتھ وابستگی اور باہم اخوت و محبت کے جذبات کی موجودگی کس قدر اہم اور ضروری ہے اور اس کے اہتمام کی کس قدر فکر و کوشش ہونی چاہیے۔ نفاذِ دین کی جدوجہد میں کامیابی کے لیے جہاں ہمیں دیگر جہتوں میں بہتری اور اصلاح کے لیے اپنی کاوشیں جاری رکھنی ہوں گی‘ وہیں ایسا کردار اختیار کرنے کی طرف بھی پوری توجہ دینی ہو گی جو اُمتِ

مسلمہ کی عالمگیر اجتماعیت میں ”رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ“ کی روح کو بیدار کرنے اور اس کی نشوونما و پرورش کے لیے تقویت وتغذیہ کا باعث بن سکے۔ اسی کردار کی بدولت ممکن ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اِس امتِ مسلمہ کے افراد کو از سرِ نو اپنی ذات اور اُمت کے فرضِ منصبی سے ایسی گہری وابستگی عطا فرما دے کہ جس کے ذریعے انتشار وافتراق کے گھٹاٹوپ اندھیرے چھٹ جائیں اور دلوں میں باہم الفتوں اور محبتوں کے چراغ روشن ہو جائیں۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذَا ......آمِین یا رَبَّ الْعَالَمِین!

حواشی

(١) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم۔
(٢) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب تشبیك الأصابع فی المسجد......
(٣) مسند أحمد، مسند المکثرین، مسند ابی هریرة ﷺ۔
(٤) سنن ابی داود، کتاب الأدب، باب فی العطاس۔
(٥) مسند احمد، مسند علی بن ابی طالب ﷺ۔
(٦) مسند احمد، مسند المکثرین، مسند ابی هریرة ﷺ۔
(٧) سنن ابی داود، کتاب السنة، باب الدلیل علی زیادة الایمان......
(٨) مسند احمد، مسند الأنصار، حدیث معاذ بن جبل ﷺ۔
(٩) سنن ابن ماجة، کتاب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی ثواب من عاد مریضا۔
(١٠) سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب فی فضل العیادة علی وضوء۔
(١١) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل عیادة المریض۔
(١٢) مسند احمد، مسند ابی هریرة ﷺ۔
(١٣) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب حق اجابة الولیمة......
(١٤) سنن ابی ابی داود، کتاب الصلاة، باب صلاة الضحی۔
(١٥) سنن ابی داود، کتاب الأدب، باب فی افشاء السلام۔
(١٦) سنن ابی داود، کتاب الأدب، باب فی الرجل یفارق الرجل......
(١٧) مسند احمد، مسند الکوفیین، حدیث البراء بن عازب ﷺ۔
(١٨) مسند احمد، مسند المکثرین، حدیث انس بن مالك ﷺ۔
(١٩) مسند احمد، مسند المکثرین، مسند ابی هریرة ﷺ۔
(٢٠) مسند احمد، مسند المکثرین، مسند ابی هریرة ﷺ۔
(٢١) سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب الدعاء بظهر الغیب۔
(٢٢) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فضل الصلاة علی الجنازة۔
(٢٣) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب من صلی علیه اربعون شفعوا فیه۔
(٢٤) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی النصیحة۔
(٢٥) مسند احمد، مسند الکوفیین، حدیث جریر بن عبد اللّٰه ﷺ۔

(۲٦) صحيح البخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان أن يحب لأخيه......
(۲۷) صحيح البخاری، کتاب المظالم و الغضب، باب أعن اخاك ظالما أو مظلوما۔
(۲۸) صحيح البخاری، کتاب المظالم و الغضب، باب لا يظلم المسلم المسلم......
(۲۹) صحيح مسلم، کتاب البر و الصلة، باب تحريم الظلم المسلم......
(۳۰) سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة و الرقائق، باب منه۔
(۳۱) سنن الترمذی، کتاب الحدود، باب ماجاء فی السترعلی المسلم۔
(۳۲) سنن ابن ماجه، کتاب الحدود، باب الستر علی المؤمن......
(۳۳) سنن الترمذی، کتاب البر و الصلة، باب ماجاء فی تعظيم المؤمن۔
(۳٤) مسند احمد، مسند القبائل، بقية حديث ابی الدرداء ؓ۔
(۳۵) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب ثواب معلم الناس الخير۔
(۳٦) صحيح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن......
(۳۷) سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة و سننها، باب الارض يصيبها البول......
(۳۸) صحيح البخاری، کتاب الصوم، باب من أقسم علی أخيه ليفطر......
(۳۹) صحيح مسلم، کتاب البر و الصلة، باب تحريم الظلم۔
(٤۰) سنن ابی داود، کتاب الزکاة، باب فی الشح۔
(٤۱) مسند احمد، مسند المکثرين، مسند ابی هريرة ؓ۔
(٤۲) سنن الترمذی، کتاب البر و الصلة، باب ماجاء فی البخيل۔
(٤۳) شعب الايمان للبيهقی، ص۳۹٦، الناشر: مکتبة الرشد للنشر و التوزيع بالرياض۔
(٤٤) سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة و الرقائق، باب منه
(٤۵) موطا امام مالك: کتاب الجامع، باب و حدثنی عن مالِك أنه بلغه......
(٤٦) مسند أحمد، مسند المدنيين، حديث هشام بن عامر ؓ۔
(٤۷) مسند احمد، مسند المکثرين، مسند عبداللّٰه بن عمر بن الخطاب ؓ۔

عصرِ حاضر میں اجتہاد کا طریقہ کار اور اس کے تقاضے

مولانا محمد تقی امینیؒ کے اَفکار کا خصوصی مطالعہ

پروفیسر محمد انس حسّان ☆

مولانا محمد تقی امینی کے حالاتِ زندگی

مولانا محمد تقی امینی ۲۲ر شوال ۱۳۲۴ھ بمطابق ۵ر مئی ۱۹۲۶ء لکھنؤ سے متصل ضلع بارہ بنکی کے مشہور قصبہ ''سُبَیحہ'' میں پیدا ہوئے۔ خاندان کے لوگ جس بزرگ کے معتقد تھے انہوں نے ''محی الدین'' نام تجویز کیا۔ گھر والے ''تقی الدین'' کے نام سے پکارتے اور شہرت ''محمد تقی'' سے ہوئی۔ امینی کی نسبت نظریۂ امانت کی طرف ہے۔ اپنے والدین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''والدِ ماجد کا نام عبدالحلیم تھا جو اپنے اخلاق و کردار اور تہذیب و شائستگی میں ممتاز تھے۔ خدمتِ خلق اور قربانی کا جذبہ بے مثال تھا۔ والدہ ماجدہ ایک نہایت مخیّر اور صاحبِ ثروت بزرگ کی صاحبزادی' نہایت دیندار اور خداترس تھیں۔'' (۱)

ابتدائی تعلیم علاقہ کے قریبی مدرسہ میں حاصل کی۔ قرآن مجید کے حفظ اور ابتدائی درجہ کی عربی و فارسی کتب اسی مدرسہ میں پڑھیں۔ اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

> ''جب عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو خاندانی دستور کے مطابق والد صاحب نے قصبہ کے دینی مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بٹھایا' جس میں حفظ و قرءات کی تکمیل کی اور عربی علوم و فنون کی بیشتر کتابیں اس مدرسہ میں پڑھیں۔ اس کے بعد ''جامع العلوم کانپور'' میں دینی علوم و فنون کی اور آخر میں ''مدرسہ امینیہ دہلی'' سے فضیلت و تکمیل کی سند حاصل کی۔'' (۲)

دیگر محبّ و شفیق اساتذہ کے علاوہ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ (۱۸۷۵ء۔۱۹۵۲ء) سے خاص طور پر فیض حاصل کیا۔ مولانا کو اپنے اساتذہ کی محنت اور شفقت کا پوری طرح احساس تھا' یہی وجہ ہے کہ وہ ان تمام اساتذہ کی بالعموم اور مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی بالخصوص بہت زیادہ تعریف کرتے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''اساتذہ نے نہایت محبت و شفقت اور دل سوزی سے تعلیم و تربیت میں حصہ لیا۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ ان میں قاری محمد یامین' صوفی افضل علی اور مفتی محمد کفایت اللہ (مفتی اعظم ہند) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں جن کی علمی و عملی تربیت اور حوصلہ افزائی نے زندگی کو وہ متاعِ گراں مایہ دیا کہ جس کا بدل دنیا کی اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔'' (۳)

☆ شعبہ اسلامیات' گورنمنٹ کالج' جہانیاں' پاکستان۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد مختلف مدارسِ دینیہ میں دینی علوم وفنون کی تعلیم دی' لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب پاک و ہند کی تقسیم کا مسئلہ زوروں پر تھا۔ اس افراتفری میں کسی جگہ بھی جم کر پڑھانے کا موقع نہ ملا۔ ۱۹۶۴ء میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی (۱۹۰۸ء۔۱۹۸۵ء) کے کہنے پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تشریف لے آئے اور آخر وقت تک تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اپنی تدریسی زندگی کے حوالہ سے مولانا خود رقمطراز ہیں:

''تعلیم کے بعد مدرسہ سبحانیہ دہلی' دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جامع العلوم کانپور میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ لیکن چونکہ وہ ہندوستان و پاکستان کی تقسیم ۱۹۴۷ء کا زمانہ تھا' افراتفری پھیلی ہوئی تھی' مسلمان انتشار کا شکار تھے' کسی ایک جگہ جم کر سال چھ مہینہ سے زیادہ کام نہ کرسکا۔ ۱۹۵۰ء میں ناگپور (مہاراشٹر) چلا گیا' وہاں تقریباً چھ سال مدرسہ فرقانیہ اور ہائی اسکول میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیے۔ پھر ۱۹۵۶ء میں دارلعلوم معینیہ (درگاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ) اجمیر میں بحیثیت صدر مدرس اور شیخ الحدیث تقرر ہوا۔ وہاں تقریباً ۷ سال مختلف علوم وفنون کی کتابیں بالخصوص حدیث شریف پڑھاتا رہا۔ ۱۹۶۴ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ آیا۔ یہاں درس وتدریس اور نظامت دینیات کی خدمت سپرد ہے۔''(۴)

مولانا کی طبیعت ۱۹۸۸ء سے خراب رہنے لگی تھی۔ ۱۹۹۰ء میں طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور علاج معالجہ کے باوجود طبیعت نہ سنبھل سکی اور بالآخر ۴؍رجب ۱۴۱۱ھ بمطابق ۲۱؍جنوری ۱۹۹۱ء یہ عظیم المرتبت فقیہہ' جس کی تمام زندگی جُہدِ مسلسل کا عملی نمونہ تھی' علی گڑھ کے مقام پر اس ہستی عدم نما سے ہستی عدم کی طرف کوچ کر گیا۔ کل ۶۵ برس کی عمر پائی اور علی گڑھ ہی میں مدفون ہیں۔

مولانا تقی امینیؒ کی دینی خدمات

مولانا امینیؒ نے بہت سی معرکۃ الآراء کتب اور یادگار مقالات چھوڑے ہیں۔ ان میں سے اکثر کتب کا عربی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے اور وہ عرب دنیا میں بہت مقبول ہیں (۵)۔ اپنی تصنیفی زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا امینیؒ لکھتے ہیں:

''پہلے تصنیف وتالیف سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ قیامِ ناگپور کے زمانہ میں قرآنِ حکیم میں غور وفکر کا موقع ملا۔ وہیں سب سے پہلے ایک کتابچہ ''اسلامی برادری'' کے نام سے ترتیب دیا۔ پھر ''اسلام کا زرعی نظام'' اور ''عروج وزوال کا الٰہی نظام'' لکھا۔ اجمیر منتقل ہونے کے بعد اس سلسلہ کو مزید ترقی ہوئی۔ چنانچہ ''فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر''، ''مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر''، ''لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر'' جیسی ضخیم کتابیں اور بہت سے مقالات لکھے' جن میں بعض مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر پڑھے گئے۔ مثلاً ''فقہ کی تدوینِ جدید''، ''اجتہاد''، ''موجودہ دور کے اجتماعی مسائل''، ''کائنات میں انسان کا مقام''، ''موجودہ مسائل کس طرح حل کیے جائیں؟'' وغیرہ۔''(۶)

مولانا امینیؒ نے تصنیف وتالیف کا ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا جس کا نام ''علم وعرفان'' تھا۔ اس ادارہ نے من جملہ کتب مذکورہ دیگر بہت سی کتب بھی شائع کیں۔ مولانا امینی کی تصنیفات کی فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

(۱) اسلام کا زرعی نظام (۲) عروج وزوال کا الٰہی نظام

(۳) حدیث کا درایتی معیار (۴) اجتہاد کا تاریخی پس منظر
(۵) مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر (۶) فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر
(۷) لادینی دور کا تاریخی پس منظر (۸) احکامِ شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت
(۹) اسلام اور جدید دور کے مسائل (۱۰) اسلامی برادری
(۱۱) ہدایت القرآن (۷)

مولانا محمد تقی امینی ان علماء میں سے تھے جنہوں نے موجودہ دور میں اجتہاد کی ضرورت کو نہ صرف شدت سے محسوس کیا بلکہ اس باب میں اپنی خدماتِ جلیلہ سے ایک تاریخ رقم کی۔ مولانا تمام زندگی برصغیر کے مسلمانوں کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص اس حوالہ سے سوچنے اور کام کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس حوالہ سے مولانا کی تمام زندگی ایک جُہدِ مسلسل سے عبارت تھی اور تادمِ آخر وہ اپنی اس ذمہ داری کو فرض سمجھتے ہوئے نبھاتے رہے۔ مولانا نے اپنے مخصوص اسلوبِ تحریر میں فقہ اسلامی کے قدیم ذخیرہ سے استخراج کر کے جدید فقہی مسائل کے حل کی شاندار روایت ڈالی ہے۔ وہ ایک قابل قدر محقق تھے اور فقہ اسلامی میں ان کو کمال درجہ کا تفقّہ حاصل تھا۔ ہندوستان میں تو ان پر کچھ تحقیقی کام ہوا ہے (۸) لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں ان کے کام کا تعارف صحیح طور پر سامنے نہیں آ سکا (۹)۔ مولانا امینی نے جس زمانے میں فقہ اسلامی کی تشکیل جدید اور اجتہاد کے عمومی تقاضوں پر بات کی تھی' اس وقت سے اب تک اس میدان میں بہت کچھ پیش رفت ہوئی ہے اور عصرِ حاضر میں اجتہاد کے کئی نئے پہلو سامنے آئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے معروضی حالات میں اس حوالے سے جو کام مولانا امینی نے کیا ہے ہم اس سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ پائے ہیں۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم عصرِ حاضر میں ان کے اجتہادی نظریات کا تعارف کراتے ہوئے اس سے استفادے کی عملی صورت پیش کریں۔

اجتہاد کا معنی ومفہوم

اجتہاد ایک بے لاگ اور انتھک کوشش کا نام ہے۔ گویا اس میں احکامِ ادلّہ سے استفادہ کرتے ہوئے اور دینی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس طرح احکامات کی تشریح وتوضیح کی جاتی ہے جو زمانہ سے مطابقت رکھتے ہوئے بھی دین کی روح کے خلاف نہ ہوں۔ ڈاکٹر صبحی محمصانی (۱۹۰۹ء۔۱۹۸۶ء) نے اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> ''اجتہاد کے لغوی معنی امکانی کوشش صرف کرنے کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں اس امکانی کوشش کے صرف کرنے کا نام ہے جو دلائل شرعیہ کے ذریعے استنباطِ احکام کے لیے کی جائے۔ بالفاظِ دیگر وہ کوشش جو مذکورۃ الصدر اصولِ اساسی کی وساطت سے احکامِ شرع کے استخراج کے لیے کی جائے۔''(۱۰)

ڈاکٹر محمود احمد غازی (۱۹۵۰ء۔۲۰۱۰ء) نے اجتہاد کے معنی میں ''انتہائی کوشش'' کے مفہوم کی وضاحت بڑے دلکش انداز میں پیش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''اجتہاد کے لفظی معنی ہیں انتہائی کاوش اور انتہائی کوشش۔ یہ انتہائی کا لفظ اس مفہوم میں شامل ہے۔ فقہاء

نے اس کی تعریف کی ہے ''استفراغ الوسع'' استفراغ کے معنی ہیں ایگزاسٹ کرنا اور وسع کے معنی ہیں صلاحیت۔ انگریزی میں اجتہاد کے مفہوم کو بیان کرنا ہو تو یوں کہا جائے گا:

To exhaust your capacity to discover Shariah ruling about a new situation in the light of the Quran and Sunnah.

یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں کسی نئی صورت حال کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی صلاحیت کو پورے طور پر استعمال کر ڈالنا' علم اور صلاحیتوں کو اس طرح نچوڑ دینا کہ اس سے آگے صلاحیت کے استعمال کرنے کی کوئی حد یا سکت باقی نہ رہے' اس عمل کا نام اجتہاد ہے۔(۱۱)

پروفیسر ضیاء الدین لکھتے ہیں:

''اجتہاد کے لغوی معنی ہیں کوشش کرنا' لیکن فقہی اصطلاح میں اجتہاد اس کوشش کو کہتے ہیں جو کسی ایسے شرعی مسئلہ میں آزادانہ اور بے لاگ رائے قائم کرنے کے لیے کی جائے جس کی پوری صراحت قرآنِ حکیم یا حدیث میں موجود نہ ہو لیکن جس کی اساس روح' مذہب نیز معاشرہ کے تقاضوں پر مبنی ہو۔''(۱۲)

اس پر مزید روشنی مولانا محمد تقی امینیؒ نے ان الفاظ میں ڈالی ہے:

''قوانینِ شرعیہ کی دریافت میں پوری محنت اور جدوجہد صرف کرنا۔ یہ دریافت تفصیل دلائل سے حاصل ہوتی ہے اور ان دلائل کا مرجع کتاب وسنت' اجماع اور قیاس ہیں۔''(۱۳)

جہاد اور اجتہاد کا مادہ ایک ہے۔ اجتہاد اور جہاد ان معنوں میں بھی ربط وتعلق رکھتے ہیں کہ دونوں کا تعلق منشائے الٰہی کے مطابق حرکتِ حیات کے زیر اثر تبدیلیوں سے دوچار ہونا ہے۔ جہاد کا میدان مکان ہے اور اجتہاد کا تعلق زبان اور نفس انسانی سے ہے' اگرچہ زمان کے ساتھ مکان بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

اجتہاد کی ضرورت واہمیت

اسلام دینِ فطرت ہونے کے باوصف انسانی زندگی کے جملہ شعبوں میں اس کی رہنمائی ورہبری کرتا ہے۔ چونکہ زمانہ تغیّر پذیر ہے اور ہر آنے والا دن نئے مسائل اور نئی پیچیدگیاں لا رہا ہے' ایسے حالات میں مسلمانوں کے دینی ومذہبی راہنماؤں کے پاس دو ہی راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ سوچ وفکر کی قوتوں کو جامد ومقید رکھتے ہوئے دنیا اور اس کے مسائل سے الگ تھلگ رہیں اور عوام الناس کو زمانے کی ٹھوکروں اور آسمانی ہدایت سے آزاد خود ساختہ انسانی سوچوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے اور دوسرا یہ کہ شریعت کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی مسائل اور نئے پیش آنے والے معاملات کا قابل عمل حل تجویز کیا جائے۔ یقیناً اس دوسرے راستے میں ہی مسلمانوں کی بقا ہے جو اجتہاد کہلاتا ہے۔

اجتہاد شریعتِ اسلامیہ میں بنیادی اصول ہونے کے باوجود معیار کے اعتبار سے مختلف ادوار میں اہمیت کا حامل رہا ہے۔ چنانچہ علماء سلف نے اجتہاد کے بنیادی تصورات پر غور وخوض کیا ہے۔ پروفیسر محمد عثمان کے مطابق:

''اسلامی قانون سازی کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے نزدیک اجتہاد کے تین درجے تھے' کامل آزادی کے ساتھ قانون سازی' محدود آزادی جو کسی مخصوص مذہب فقہ کی حدود کے اندر کام میں لائی جاسکتی ہے' اور وہ مخصوص آزادی جو محض ان مسائل میں استعمال کی جاسکے جس کا فقہ کے

بانیوں نے خود کوئی حل تجویز نہ کیا ہو۔''(۱۴)

ہر دور کا ایک ذہن اور ہر عہد کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ ذہن اور مزاج کی مناسبت سے ہر کام کے موقع و محل اور اس کی سمتوں کی تعیین ہوتی ہے۔ اسی طرح اجتہاد کا تعلق بھی بڑی حد تک موقع و محل سے ہے۔ قومی و جماعتی زندگی کے ادوار بدلتے رہتے ہیں۔ اس بنا پر اجتہاد کے موقع و محل اور اس کی سمتوں میں بھی تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مجتہدین نے اجتہاد کے کام کو جاری رکھا' البتہ موقع و محل کی مناسبت سے اس کی نوعیت اور کارکردگی کی کیفیت میں یقیناً فرق رہا۔ اس فرق میں قوم کی ضرورت اور تحمل و برداشت کی رعایت ملحوظ تھی کہ اس کے بغیر نہ اجتہاد کا اصل مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی قوم وملت کے لیے وہ مفید بنتا ہے۔ حیاتِ انسانی میں بعض اوقات کچھ ضرورتیں ایک دور میں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں' لیکن بعد کے دور میں ان کی ویسی اہمیت نہیں رہتی۔ اسی طرح بعض ضرورتیں ایک دور میں اہمیت کی حامل نہیں ہوتیں لیکن بعد کے دور میں اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔ اس حوالے سے مولانا امینی لکھتے ہیں:

''ایک مبصر کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ضرورت کو اس کے درجہ اور مقام میں رکھ کر اس کو عملی جامہ پہنائے۔ مجددین نے احیائے دین کی کوششوں میں اس فطری اصول کو کبھی نظر انداز نہ ہونے دیا۔ جس دور میں جس ''ضرورت'' کی جتنی اہمیت دیکھی ''اجتہادات'' میں اس کو ویسا ہی مقام دیا۔''(۱۵)

مسلمانوں کا المیہ رہا ہے کہ وہ اپنے حقیقی محسنین کو پہچاننے میں ہمیشہ دیر کر دیتے ہیں۔ یہ معاملہ ہمارے فقہاء مجدّدین کے ساتھ بھی پیش آیا' یعنی ان کے اجتہادات قوم کی بے بضاعتی اور عدم توجہی کی نذر ہو گئے۔ بعض مجددین نے فقہی مسائل کی طرف بھی توجہ کی اور بعض جزئیات میں حالات کی مناسبت سے تبدیلی کا مشورہ دیا' لیکن قوم اپنی بے بضاعتی اور بے بصری کی وجہ سے ان مشوروں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوئی اور وہ متفردات ومخصوصات بن کر رہ گئے۔ قوم کی اس عدم صلاحیت کی وجہ سے ان مجتہدین کی زندگی کا اجتہادی پہلو نظروں سے اوجھل ہو گیا اور یہ خیال عام ہو گیا کہ صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ فقہاء کے مابین اختلاف رائے کو اگر متبادل رائے سمجھا جاتا تو شاید یہ صورت پیدا نہ ہوتی۔ مولانا امینی لکھتے ہیں:

''موجودہ دور میں ایک طبقہ جو اجتہاد کا پُرزور حامی ہے' وہ اس کے نشیب وفراز سے واقف نہیں ہے اور جو طبقہ کچھ واقفیت رکھتا ہے اس کی نظر میں عملاً اجتہاد کا دروازہ ایسا بند ہے کہ اس کی کنجی تک گم ہو چکی ہے۔''(۱۶)

مولانا کے نزدیک فقہاء نے اجتہاد کے لیے کافی سامان فراہم کر دیا ہے۔ اصول اور ضابطے مقرر کیے ہیں' کام کا انداز اور طریقہ بتایا ہے' کام کر کے دکھایا ہے' یہ سب کچھ ایک مرتب و مدوّن شکل میں موجود و محفوظ ہے۔ اس سے زیادہ ہماری محرومی اور بے بصری کیا ہوگی کہ اس ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے کو ہم جرم سمجھیں یا خود فریبی میں مبتلا ہو کر اس کی اہمیت نہ محسوس کریں۔

اجتہاد کی اقسام

مولانا امینیؒ نے اجتہاد کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجتہد بھی اس حوالے سے تین اقسام پر ہوں گے۔

(۱) اجتہاد فی الشرع (شریعتِ اسلامی میں اجتہاد)
(۲) اجتہاد فی المذہب (فقہی مذاہب میں اجتہاد)
(۳) اجتہاد فی المسائل (فقہی مسائل میں اجتہاد)

(۱) اجتہاد فی الشرع (شریعتِ اسلامی میں اجتہاد): اجتہاد فی الشرع کے دو درجہ ہیں:

(۱) مجتہد مستقل (مجتہد مطلق)
(۲) مجتہد منتسب (کسی مجتہد مطلق سے نسبت رکھنے والا مجتہد)

مولانا کے نزدیک مجتہد مستقل وہ ہے جس کو ان اصول وکلیات (اجتہادی مآخذ) میں ردّوبدل اور تصرف کا اختیار ہو جن پر احکام ومسائل کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور مجتہد منتسب وہ ہے جو بغیر کسی تصرف کے مقررہ اصول و کلیات کو تسلیم کرتا ہو اور مسائل کے استخراج میں انہی اصول سے کام لیتا ہو۔

(۲) اجتہاد فی المذہب (فقہی مذاہب میں اجتہاد): مولانا کے مطابق اس کا درجہ پہلے کے مقابلہ میں کمتر سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ مجتہد فی المذہب وہ ہے جو مشہور ائمہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد ہو' اصول وفروع میں اسی کی اتباع کرتا ہو۔ لیکن اندھی تقلید نہ ہو' بلکہ عقل وبصیرت کی روشنی میں مسائل کو قبول کرتا ہو اور ان بنیادوں سے واقف ہو جن پر مسائل کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اس کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے اور ایسے مجتہد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جس امام کی وہ اقتدا کرتا ہے اسی کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے مطابق اجتہاد کرے اور اس سے تجاوز نہ کرے۔

(۳) اجتہاد فی المسائل (فقہی مسائل میں اجتہاد): مولانا امینؒ کے نزدیک مجتہد فی المسائل وہ ہے جو اپنے امام کے مسلک کا متبحّر عالم ہو اور مختلف اقوال وتوجیہات میں دلائل وبراہین کے ذریعہ کسی ایک کو ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہو۔ اس کا درجہ اجتہاد فی المذہب سے بھی کمتر ہے۔ اجتہاد فی المسائل میں مختلف اقوال کی تطبیق کرنا ہوتی ہے اور کسی ایک کو ترجیح دینا ہوتی ہے۔ اسی ''وجہ ترجیح'' کا نام اجتہاد ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> ''اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ فقہ میں اجتہاد صرف نئے مسائل کے حل کرنے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ مسائل کی باہمی تطبیق وترجیح کا نام بھی اجتہاد ہے۔''(۱۷)

عصرِ حاضر میں اجتہاد کا دائرۂ کار

انسانی زندگی کے معاملات کی دو اقسام ہیں:

(۱) وہ جس کا تعلق عقائد' عبادات' اخلاق وغیرہ یعنی انسان کی انفرادی زندگی سے ہے۔
(۲) وہ جس کا تعلق معاشرت' معاشیات وسیاسیات وغیرہ یعنی ملکی قانون سے ہے۔

ان دونوں اقسام پر مولانا کا تبصرہ یہ ہے:

> ''عوام کا زیادہ تر تعلق پہلے حصہ سے ہے۔ اس میں نہ کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت ہے اور نہ موجودہ حالت میں قوم تبدیلی کی متحمل ہوسکتی ہے۔ صرف جدید ترتیب قائم کرنے اور بعض مباحث کو مقدّم ومؤخّر کرنے سے یہ کام ہوجائے گا۔ اور اگر اس میں بھی کانٹ چھانٹ کی گئی تو تبدیلی کی ذہنیت عوام میں سرایت

کر جائے گی اور قانون کا وقار ان کے دل سے نکل کر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہو جائے گی۔ دوسرے حصہ میں کافی غور وخوض کے بعد نقشہ مرتب ہو سکے گا' جس میں حالات وتقاضہ کے مطابق نئی ترتیب قائم کرنا' نئے پیش آمدہ مسائل کا حل دریافت کرنا اور جن مباحث کو زمانہ کے مفتی نے ختم کر دیا ہے' ان کو ترتیب سے نکال دینا وغیرہ امور شامل ہیں۔''(۱۸)

مولانا امینیؒ کے نزدیک پہلے حصہ میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ صرف جدید ترتیب قائم کرنے سے کام چل جائے گا۔ البتہ دوسرے حصہ میں غور وخوض کے بعد حالات اور تقاضوں کے مطابق تبدیلی ناگزیر ہوگی۔ چنانچہ انہی موضوعات پر اجتہاد کرنا فائدہ مند ہوگا اور انہی پر اجتہاد کرنے کی ضرورت بھی ہے۔

گزشتہ صدی میں یہ سوال ابھر کر سامنے آیا کہ درپیش مسائل کے حوالہ سے کل فقہی ذخیرہ سے استفادہ کیا جائے اور جملہ مسالک کے اجتہادی مسائل جو عصرِ حاضر سے مطابقت رکھتے ہوں' ان کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں سلطنتِ عثمانیہ نے ''**مجلة الاحكام العدليه**''(۱۹) کے نام سے کتاب مدون کی جس میں جملہ مسالک سے استفادہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقا (۱۹۰۱ء۔۱۹۹۹ء) نے بھی ''**موسوعة الفقه الاسلامی**''(۲۰) کے نام سے ۴۰ مجلّدات پر مشتمل کتاب مدوّن کی۔ اسی طرز پر مصر نے بھی ''**موسوعة الفقه الاسلامی**'' کی تدوین کی۔ اگرچہ ان کا اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ عالمِ اسلام میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی لیکن عملی طور پر ان کے زیادہ دوررس نتائج برآمد نہ ہوئے۔ جدید مسائل کے اجتہادی حل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والی نئی فقہ کے حوالے سے وہ مختلف مسالک کو ملا کر کسی نئی فقہ کی تشکیل کے فی زمانہ حامی نہیں ہیں' اس لیے کہ امت ابھی اس کام کی متحمل نہیں ہے۔ اس حوالے سے مولانا امینیؒ لکھتے ہیں:

''دراصل قومی و جماعتی زندگی کا وہ وقت نہایت نازک ہوتا ہے جب اس کو ایک مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر لایا جاتا ہے۔ اگر اس میں دوسرے مقام کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی ہے اور پہلے سے بھی وہ اکھڑ چکی ہے تو نتیجہ لازمی طور سے ذہنی طوائف الملوکی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔''(۲۱)

مزید لکھتے ہیں:

''مسلم قوم میں ابھی اس درجہ کے ضبط کی صلاحیت نہیں پیدا ہو سکی کہ وہ قانونی جزئیات وفروع میں 'آفاقیت' کے تصور کو جذب کر سکے۔ بدقسمتی سے مسلم ممالک کی ترقی میں اسلام سے کہیں زیادہ قومیت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اس لیے بین الاقوامی فقہ کو بروئے کار لانے کے لیے نہ ماحول سازگار ہے نہ مفید نتیجہ کی توقع ہے' بلکہ اُلٹے مضر اثرات کا قوی اندیشہ ہے۔''(۲۲)

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مولانا امینیؒ جدید تدوین میں دیگر فقہاء کی فقہ سے استفادہ کے قائل نہیں۔ وہ نہ صرف اس کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اس کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''جن مسائل میں حالات وتقاضہ کے مطابق تبدیلی کی ضرورت ہو یا نئے مسائل حل کرنے کی صورت ہو تو ان میں مختلف مسالک اور اختلافاتِ فقہاء سے ضرور مدد لی جائے کہ اس کے بغیر موجودہ اور آئندہ حالات کے پیش نظر اس کام کی اور کوئی بہتر شکل نہیں ہے۔''(۲۳)

بالغ نظر فقہاء کا ماننا ہے کہ فقہ اسلامی میں اجتہاد کے حوالہ سے کُلّی طور پر جمود کبھی طاری نہیں رہا' بلکہ جزوی

اورانفرادی طور پر ہی سہی اجتہاد ہر دور میں جاری رہا۔ چنانچہ بعض حلقوں کا یہ کہنا کہ فقہ پر مکمل طور پر جمود چھا گیا ہے‘ محلِ نظر ہے۔ (۲۴)

مولانا محمد تقی امینی کا تجزیہ اس حوالے سے بڑا معتدل اور دوررس ہے۔ مولانا کے نزدیک اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ’’مجدّدین‘‘ نے اجتہاد کے کام کو جاری رکھا‘ البتہ موقع ومحل کی مناسبت سے اس کی نوعیت اور کارکردگی کی کیفیت میں یقیناً فرق رہا۔ اس فرق میں قوم کی ضرورت اور تحمل و برداشت کی رعایت ملحوظ تھی کہ اس کے بغیر نہ اجتہاد کا اصل مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی قوم وملت کے لیے وہ مفید بنتا ہے۔ گویا یہ اجتہادی عمل کسی نہ کسی صورت اور رفتار کے ساتھ چلتا رہا۔ ایسا نہیں ہوا کہ یہ عمل بالکل رک گیا ہو۔ چنانچہ یہ کہنا کہ فقہ اسلامی پر مکمل طور پر جمود طاری ہے اور اجتہادی عمل کلیتًا مفلوج ہو چکا ہے‘ یہ اسلام دشمنوں کو یہ کہنے کا جواز مہیا کر رہا ہے کہ اسلام ایک نظامِ حیات نہیں ہے اور معاشرتی وسماجی تبدیلیوں کے حوالہ سے اس کے ہاتھ خالی ہیں۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ بدلتی ہوئی معاشرتی وسماجی حالت کے مطابق جس اجتہادی عمل کی تیزی کی ضرورت اور احتیاج تھی‘ اس میں ہمارے بعد کے فقہاء اس سرعت اور دقیقہ نظری کا مظاہرہ نہیں کر سکے جو ان کے پیشرو کر گئے تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہمارے بعد کے فقہاء کو وہ ماحول اور حالات میسر نہیں آئے جن حالات میں متقدمین نے فقہ کی تدوین کی۔ گویا ہمارے بعد کے فقہاء معاشرہ کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکے اور یہی ان کا قصور متصور کیا جاتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد یہ سمجھا جانے لگا کہ فقہ کا کافی ذخیرہ اکٹھا ہو گیا ہے اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے وہ اجتہادی صلاحیت اور فقہی بصیرت جو متقدمین کے ساتھ خاص تھی‘ آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ عافیت اسی میں سمجھی گئی کہ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اس کے دیگر عوامل یہ تھے:

(۱) اجتہاد کے لیے بلند ہمتیں درکار تھیں‘ وہ نسلاً بعد نسلٍ کم ہوتی گئیں۔

(۲) اپنے مسلک کے لیے تعصّب پایا جانا۔

(۳) سابقہ لوگوں کے اقوال کا ایسا احترام جس سے کہ ان کی مخالفت جائز نہ رہے۔

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقہ میں اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا‘ بلکہ یہ بند ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ علماء جو اجتہاد کے دروازہ کے بند ہونے کا فتویٰ جاری کر چکے ہیں ان میں اور اپنے قول میں مولانا تطبیق یوں کرتے ہیں کہ شاید ان کے ماحول وحالات نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا ہو۔ لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ انہوں نے ہمیشہ کے لیے یہ باب بند کر دیا تو اس کے نہ وہ مجاز تھے اور نہ ہم مکلّف ہیں۔ ہمیں تو ان جدید مسائل کے حوالے سے جو آج عالم اسلام کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج ہے‘ اپنا کردار ادا کرنا ہوگا‘ تاکہ ہم اپنی آئندہ نسلوں اور خدا کے سامنے سرخرو ہوسکیں۔ وہ لوگ جو چند جزئیات میں مناسب تبدیلی نہ ہونے کی بنا پر یہ رائے رکھتے ہیں کہ صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے‘ ان کے حوالہ سے مولانا رقمطراز ہیں کہ:

> ’’چند فقہی جزئیات میں تبدیلی نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صدیوں سے اجتہاد کا سلسلہ بند ہے‘ تاریخ دانی اور قوم کی مزاج شناسی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں ہے۔‘‘ (۲۵)

جس طرح ایک طبیب کا کام مریض کی طبیعت میں اعتدال پیدا کر کے مرض کو ختم کرنا ہوتا ہے اور اس کی

دوااور غذا کے حوالہ سے وہ موسم اور آب وہوا کے مطابق تبدیلی کرتا ہے تو یہی معاملہ اس دور کے مجتہدین کا تھا اور اس طبیب کی طرح ان کی جملہ اجتہادی صلاحیتیں ایک ہی کام کے گرد چکر لگاتی رہتی تھیں۔

عصرِ حاضر میں اجتہاد کی عملی صورتیں

مولانا امینؒ کے نزدیک وہ صورتیں جن میں اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے' ان کی تین اقسام ہیں:

(۱) موقع ومحل کی تعیین میں اجتہاد

(۲) نئے مسائل کی تحقیق کے لیے اجتہاد

(۳) دشواری اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے اجتہاد

(۱) موقع ومحل کی تعیین میں اجتہاد: حکم اصولی اور کلی شکل میں موجود ہے' لیکن موقع ومحل کی تعیین کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر شہادت کے بارے میں گواہوں کی عدالت کے حوالہ سے ذکر ہے:

﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (۲۶)

''اور اپنوں میں سے دو عادل گواہ بناؤ۔''

اور عدالت کی تعریف یہ ہے کہ ''عدالت'' ایک ملکہ (راسخ صلاحیت) ہے جو تقویٰ اور مروت اختیار کرنے سے عبارت ہے۔ نیز ''مروّت'' کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ معاشرتی حوالہ سے گھٹیا باتوں اور اُن چیزوں سے جنہیں لوگ معیوب سمجھتے ہیں' بچنے کو ''مروّت'' کہتے ہیں۔ چنانچہ عادل میں یہ صفات ہونی چاہئیں۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص جو ظاہراً وہ تمام خوبیاں رکھتا ہو لیکن اس کا باطن اور اخلاق وکردار انتہائی بدنما ہو' اس کے برعکس ایک شخص ظاہراً ان صفات پر پورا نہ اترتا ہو لیکن اس کا باطن اور اخلاق وکردار بہت بلند ہو تو اس صورت میں اس کی شہادت کا کیا حکم ہوگا؟ عموماً حکم ظاہر پر لگایا جاتا ہے۔ لیکن مولانا امینؒ کے نزدیک یہ معیار درست نہیں' بایں طور کہ کسی انسان کی محض ایک بات میں شریعت کی خلاف ورزی سے اس کی پوری زندگی داغدار نہیں بنائی جاسکتی۔ اس حوالہ سے وہ اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> ''مقامی حالات اور معاشرتی ضروریات کی بنا پر ہر دور میں 'عدالت' کا معیار بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے ان حالات اور مقررہ اصول وضوابط کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعہ 'عدالت' کا نیا معیار مقرر کرنا اور اس پر 'شاہد' کو جانچنا ہر دور کا اہم ترین کام ہے۔''(۲۷)

(۲) نئے مسائل کی تحقیق کے لیے اجتہاد: نئے مسائل کی تحقیق کے لیے اجتہاد کی چار صورتیں ہیں:

(۱) قرآن' سنت اور اجماع سے جو صریح احکام ثابت ہیں ان کے الفاظ ومعانی میں غور کر کے فقہاء کے اصولوں کے تحت حکم دریافت کیا جائے۔

(۲) وہ مسائل جو حل شدہ ہیں ان میں پائی جانے والی علت کا اطلاق نئے مسئلہ پر کر کے حکم دریافت کیا جائے۔

(۳) نظائر (مثالیں) اور مشابہہ احکام نہ ملنے پر معتبر مصالح کو معیار بنا کر نئے مسئلہ کا حکم دریافت کیا جائے۔

(۴) اصول وکلیات یا استصلاح واستدلال وغیرہ سے مسئلہ کا حکم دریافت کیا جائے۔

اس حوالے سے مولانا امینیؒ لکھتے ہیں:

''.....نئے مسائل کا حل ناممکن نہیں ہے' فقہائے کرام نے اتنا سرمایہ جمع کر دیا ہے کہ اس کے ذریعہ فقہ ہمیشہ ضروریاتِ زندگی کا ساتھ دے سکتی ہے۔ البتہ اس کے لیے محنت' ژرف نگاہی اور اجتہادی صلاحیت کی ضرورت ہے اور وقت کے اہم مسائل نہ حل کیے گئے بلکہ اجتہادی کام کا سلسلہ ہی بند ہو گیا تو پھر ہوا و ہوس کا غلبہ ہو کر دین و شریعت کا صرف نام باقی رہے گا۔''(۲۸)

(۳) دشواری اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے اجتہاد: بعض اوقات حالات و معاشرتی خرابی یا بیماری و معذوری وغیرہ کی بنا پر کسی منصوص حکم کا غیر منصوص شکل پر عمل دشوار ہوتا ہے' ان حالات میں کوئی ایسی صورت تلاش کی جاتی ہے جس میں حکم کا احترام اور اس کی روح بھی برقرار رہے اور سہولت کی راہ بھی نکل آئے۔ یعنی لوگوں کے لیے آسانی کی ایسی راہ نکالی جائے کہ نص کی مخالفت بھی نہ ہو اور نص کی اطاعت کی صورت بھی نکل آئے' تاکہ حالات یا زمانہ کے بدلنے سے لوگوں نے محض غیر معمولی دشواری اور مشکل کی وجہ سے جس منصوص حکم پر عمل چھوڑ دیا ہے تو اجتہاد کے ذریعہ سے لوگوں کو واپس اس منصوص حکم کی اطاعت کی طرف واپس لایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بنایا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال قرآن کا تدریجاً نزول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام احکامات اکٹھے نازل نہیں فرمائے بلکہ اس میں لوگوں کی مجبوریوں اور بیماریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تدریج کے ساتھ قرآن نازل فرمایا۔ شراب کی حرمت اور زکوٰۃ کی فرضیت اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ چنانچہ فقہاء نے اس سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ جب کسی حکم پر عمل دشوار ہو تو حکم کی روح اور اس کا احترام برقرار رکھتے ہوئے سہولت تلاش کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عصرِ حاضر میں اجتہاد کا طریقہ کار

مولانا امینیؒ نے اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت ہی پر زور نہیں دیا بلکہ اجتہاد کے طریقہ کار اور اس کے خدوخال کے حوالے سے بھی ان کے پاس ایک مکمل سسٹم اور میکنزم موجود ہے۔ چنانچہ ان کا اجتہادی طریقہ کار اور لائحہ عمل محض رومانوی و افسانوی نہیں بلکہ قابلِ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ عمل بھی ہے۔ مولانا کے نزدیک دلائل سے مسائل کا تعلق قائم کرنے میں یہ ترتیب ملحوظ رہنی ضروری ہے کہ اصل قرآنِ حکیم ہے' سنت اس کی تشریح ہے اور اجماع اور قیاس وغیرہ کا درجہ اس کے بعد ہے۔ نیز اجتہاد میں نااہلوں کی رائے اور بلاکسی شرط و قید کے آزادانہ رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ورنہ جو صورت یہودیوں کے اجتہاد میں پیش آئی تھی وہی پیش آئے گی۔

(۱) اجتہاد میں معاشرتی مصالح کی رعایت

ہم سب جانتے ہیں کہ احکاماتِ الٰہیہ دفعتاً نازل نہیں ہوئے' بلکہ اس میں انسانی طباع مزاج اور معاشرتی و سماجی مصالح کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ وہ چیزیں جو نبوت کے ابتدائی سالوں میں حرام نہ تھیں انہیں تدریجاً حرام قرار دیا گیا۔ چنانچہ اسلام نے اس باب میں ترتیب اور معاشرتی مصالح کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ آج بھی انہی بنیادوں پر قائم ہے جن پر چودہ صدیاں قبل قائم تھی۔ مولانا امینیؒ کے نزدیک اجتہاد کے طریقہ کار میں معاشرتی مصالح کا بھرپور التزام کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ معاشرہ کو قانون سازی کی بنیاد

قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''معاشرہ شریعت سازی کی بنیاد ہے اور احوال ومصالح عمارت تعمیر کرنے کے سامان ہیں۔ جب معاشرہ میں تبدیلی ہوگی تو لازمی طور سے احکامِ شرعیہ کی شکل وصورت بدلے گی اور جب احوال ومصالح (حالات وواقعات اور مصلحتیں) باقی نہ رہیں گے تو ان سے بنی ہوئی عمارت بھی ختم ہو جائے گی۔''(۲۹)

چونکہ معاشرہ کی حالت یکساں نہیں رہتی اس لیے اجتہاد میں بھی اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ وہ معاشرتی تبدیلیوں کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی جاذبیت قائم رکھے۔

(۲) اجتہاد کی شورائی حیثیت

دورِ حاضر میں شورائیت کی افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا امینی کا تجزیہ یہ ہے کہ دور حاضر میں اجتہاد شورائی بنیادوں پر ہوگا۔ اگرچہ انفرادی اجتہاد بھی جاری رہے گا لیکن دیرپا وہی اجتہاد رہے گا جو شورائی بنیادوں پر کیا جائے گا۔ اس نقطہ نظر سے فقہ حنفی ہی وہ فقہ ہے جو ہماری مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد بھی شورائیت پر قائم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقہ چالیس کے قریب جید علماء وفقہاء کی مجلسِ مشاورت میں مرتب کی۔ صورت یہ ہوتی تھی کہ کسی ایک مسئلہ کو پیش کیا جاتا' جس پر تمام فقہاء قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی رائے پیش کرتے اور پھر جس کی بات وزنی ہوتی وہ قبول کر لی جاتی۔ اس کی سب سے بڑی مثال امام ابوحنیفہؒ کی موجودگی میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ (جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں) کے اختلافات ہیں۔ یعنی اس شوریٰ میں ہر ایک کو کھل کر اپنی بات بیان کرنے کا حق حاصل تھا۔ چنانچہ آج فقہ حنفی کے تقریباً ساٹھ فیصد فتاویٰ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے اجتہادات پر مبنی ہیں۔

مولانا امینیؒ کے ذہن میں بھی شورائیت کا یہی تصور قائم تھا۔ لیکن اس میں وہ اتنا اضافہ ضرور کرتے ہیں کہ وہ اس شوریٰ کو صرف علماء وفقہاء کی شوریٰ نہیں دیکھتے بلکہ ان کے نزدیک اس میں ڈاکٹرز' انجینئرز' ملکی قانون کے ماہرین اور اسی طرز پر دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی بطور مددگار کے شامل ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غور وفکر کے نتیجے میں کیا جانے والا اجتہاد اگر ان شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین کے ہاں قابلِ قبول نہ ہوا یا ان کے علم سے متصادم ہوا تو اس کی افادیت ختم ہو کر رہ جائے گی اور اس کے الٹے نقصانات بھگتنا پڑیں گے۔ چنانچہ ان وجوہات کی بنا پر مولانا تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو اس شورائیت کا حصہ مانتے ہیں۔ مولانا امینیؒ رقمطراز ہیں:

''موجودہ حالات وضروریات کے پیش نظر اجتہاد کے لیے اصرار کے باوجود ہماری رائے انفرادی اجتہاد کی نہیں بلکہ شورائی طرز کے اجتہاد کی ہے کہ علماء کی ایک صاحبِ صلاحیت مجلس زیر بحث مسائل میں ضابطہ کے مطابق غور کر کے باہمی تعاون کے ذریعہ ان کا حل تلاش کرے۔''(۳۰)

علماء کی یہ مجلس جو اجتہادی مسائل حل کرے گی یہ پرائیویٹ سطح پر ہو تو بہتر ہے۔ چونکہ مولانا کے نزدیک جدید تدوین امام ابوحنیفہؒ کی طرز پر ہی ممکن ہے اور ان کی فقہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ حکومتی سرپرستی میں مرتب نہیں ہوئی تو شاید اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس اجتہادی جماعت کا پرائیویٹ ہونا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ مجلس مشاورت ''پرائیویٹ'' اور نجی ہوتو زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ حکومت کی نگرانی میں زیادہ توقع نہیں ہے کہ آزادانہ غور وفکر کا پورا موقع مل سکے گا۔ پھر قدیم تدوین کے وقت بھی یہ کام نجی طور پر ہی کیا گیا تھا۔ اگر 'پرائیویٹ' کی صورت نہ بن سکے تو اہل حل وعقد (اہلِ اقتدار واختیار) کے انتخاب میں کم ازکم اس امر کا ضرور لحاظ رکھا جائے کہ حکومت زدہ افراد اس سے علیحدہ رکھے جائیں۔ ایسے افراد کی شناخت ان کے گزشتہ علمی اور عملی کاموں سے کی جاسکتی ہے۔''(۳۱)

امتِ مسلمہ کے موجودہ حالات واد بار کو سامنے رکھا جائے تو اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حالات کے تناظر میں مولانا امینیؒ نے ایک بہترین منہج تجویز کیا ہے جس پر چل کر جدید مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے۔

(۳) اجتہادی مسائل کے حل کے لیے مجلس کی ضرورت

اجتہاد کے طریقہ کار کے حوالہ سے مولانا اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''اجتہاد کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کی صلاحیت رکھنے والوں کی ایک مجلس قائم کی جائے' جس میں مختلف ضروریات کے لحاظ سے ہر ضرورت کے ماہرین ہوں' ایسی مجلس (امام ابوحنیفہ کی سربراہی میں) فقہ حنفی کی تدوین کے وقت بھی قائم تھی' جس میں تقریباً چالیس افراد تھے۔''(۳۲)

ایک اور جگہ مولانا اجتہاد کے طریقہ کار کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''طریقِ اجتہاد کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین کا طرزِ عمل ہمارے سامنے ہے کہ اجتہادی امور میں غور وخوض اور ان کے حل کے لیے صاحب صلاحیت افراد کی ایک مجلس قائم تھی۔ موجودہ حالات کا بھی تقاضا یہی ہے کہ صلاحیت رکھنے والے افراد کی ایک مجلس قائم کی جائے جس میں مختلف ضروریات کے لحاظ سے ہر ضرورت کے ماہرین موجود ہوں' کچھ افراد نمایاں حیثیت رکھنے والے ہوں اور باقی کی حیثیت مشیر ومددگار کی ہو۔''(۳۳)

مولانا کے نزدیک قانون کی ترتیب وتنظیم کا یہ کام اگر معاشرتی تبدیلی کے اتار چڑھاؤ سے متعلق ہوتا تو زیادہ کدوکاوش کی ضرورت نہ تھی۔ چند احکام ومسائل کے موقع ومحل میں تبدیلی سے کام چل جاتا اور اس کے ذریعہ وقت کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتیں' جیسا کہ تاریخ میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ لیکن اس وقت کام مستقل دور کی تبدیلی سے متعلق ہے' اس بنا پر چند مسائل کے الٹ پھیر سے بات نہ بنے گی' بلکہ فروعی نظام میں ترمیم وتنسیخ اور اضافہ کے ساتھ اس کو جدید انداز میں ڈھالنا ہے اور اصولی نظام کی حفاظت کے ساتھ اس کو نئی ترتیب وتنظیم کا جامہ پہنانا ہے۔ ظاہر ہے یہ کام مستقل اور مسلسل جِدّوجُہد کے بغیر نہیں انجام پاسکتا۔ اس لیے یہ سمجھ لینا کہ محض چند جزئیات کی تبدیلی سے کام چل جائے گا درست نہیں ہوگا' کیونکہ اس باب میں بڑی محنت ہونے والی ہے۔

جیسا کہ سابقہ سطور سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ مولانا امینیؒ کے نزدیک موجودہ دور میں اجتہادی مسائل کے حل کے لیے ایک علمی مجلس کا ہونا ضروری ہے' کیونکہ یہ اہم کام انفرادی سطح پر سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس علمی مجلس کی حدود وقیود سے متعلق وہ لکھتے ہیں:

''اس مجلس کو اونچے پیمانہ پر نہ اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ کوئی نئی راہ نکالنے کی اجازت ہوگی۔ البتہ اخذ و

استفادہ کے باب میں یہ مجلس وسعت سے کام لے گی' نہ تو بالکلیہ آزاد وخود رائے ہوگی اور نہ وقت ضرورت دوسرے امام سے استفادہ کو حرام جانے گی۔ بلکہ ہر مسئلہ کو دلیل وبصیرت کی روشنی میں سمجھ کر قبول کرے گی اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔اسی طرح مختلف اقوال میں جب ترجیحی صورت نکالنے کی ضرورت ہوگی تو حالات ومقامات کی مناسبت سے مقررہ قاعدہ اور ضابطہ کے مطابق بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دے گی۔اگر کسی مسئلہ میں نصِ صریح (واضح قرآنی آیت اور مستند حدیث) یا تعلیلِ صحیح (مستند نص سے اخذ کردہ) متقدمین سے نہ ملے گی تو تحقیق وتلاش کر کے مسئلہ کو دلیل سے آراستہ کرے گی اور اس بات کا مکلّف اپنے آپ کو نہ جانے گی کہ مسئلہ میں پہلے کی کہی ہوئی ہر بات کی تقلید کی جائے' خواہ اطمینانِ قلبی حاصل ہو یا نہ ہو' نیز موجودہ حالت کے وہ مطابق ہو یا نہ ہو۔''(۳۴)

(۴) مجلسِ اجتہاد کے استفادے کے چند اصول

مجلس کو اس کام کی انجام دہی کے لیے فقہی مواد سے جس قسم کے استفادہ کی ضرورت ہوگی' مولانا امینی اس کے لیے درج ذیل امور کی نشاندہی کرتے ہیں:

(۱) قرآنی احکام کے موقع ومحل کی تعیین میں سیرتِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ سے استفادہ۔

(۲) حدیث کے سلسلہ میں روایت ودرایت دونوں سے کام لینا۔

(۳) اجماعی مسائل (متفقہ مسائل) کے انداز اور ان کے نوک پلک کو سمجھنا۔

(۴) قیاس میں حکمت وعلت کے امتیاز کو برقرار رکھنا اور استنباطِ مسائل میں ہر ایک کے کردار سے واقف ہونا۔

(۵) قانونی ماخذ استحسان (قیاس ہی کی ایک قسم)' استصلاح (ضرورت ومصلحت کی بنا پر مسائل اخذ کرنا) اور استدلال (اس کا تعلق استنباط کے کسی مخصوص طریقہ سے نہیں) سے مسائل کے استنباط میں اس امر کو ملحوظ رکھنا کہ متقدمین نے ان سے کس وقت کام لیا اور کن اسباب کی بنا پر یہ ماخذ قرار پائے؟

(۶) تعامل (صحابہ کا عمل) اور عرف ورواج (جمہور کی عادت) کو استعمال کرنے کے لیے فقہاء کے طریقہ اور ضابطہ کو ملحوظ رکھنا۔

(۷) ملکی قانون (جن سے کسی کلی اصول پر زد نہ پڑتی ہو) سے استفادہ میں اس وسعت وفراخی اور طریقِ کار کو ملحوظ رکھنا جو صحابہ کرامؓ نے مختلف ممالک کے قوانین کے باب میں اختیار کیا۔

(۸) فقہی اصول وکلیات (قواعد کلیہ) سے استدلال میں فقہاء کے طرزِ عمل کو رہبر بنانا۔

(۹) فقہی احکام میں تخفیف وسہولت (سفر' مرض' اکراہ وغیرہ) کے اسباب کو برمحل منطبق کرنا۔

(۱۰) اختلافِ فقہاء کے اسباب پر گہری نظر رکھنا اور حالات کا صحیح تجزیہ کر کے ان سے فائدہ اٹھانا۔(۳۵)

مولانا کے نزدیک مجموعی حیثیت سے یہ سب امور اس قدر وسیع اور جامع ہیں کہ ان کی مدد سے موجودہ حالات اور تقاضوں کے مطابق بہترین کام انجام پا سکتے ہیں۔

(۵) مجلسِ اجتہاد کی ذمہ داریاں

مولانا امینی کی نظر میں مجلس کو مندرجہ ذیل کام کرنا ہوں گے:

(۱) مسلم پرسنل لاء (عائلی قوانین) کے ان مسائل کی فہرست تیار کرنا جن میں حالات کی تبدیلی اور سماجی خرابیوں کی بنا پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

(۲) پرسنل لاء پر عمل درآمد کے لیے سماجی خرابیوں اور ان کے ازالہ کی تدبیروں پر غور وفکر کر کے عملی قدم اٹھانا۔

(۳) ان رسوم کے متعلق حکم شرعی کا اظہار جنہوں نے مسلمانوں کی خانگی زندگی کو نہایت دشوار وعذابِ جان بنا دیا ہے۔ اور ان کے ازالہ کے لیے شرعی، اخلاقی اور قانونی کوشش کرنا۔

(۴) نئے پرسنل لاء کی تدوین اور اس کو منظور کرنے کی کوشش کرنا۔

(۵) پرسنل لاء کو نافذ کرنے کے لیے شرعی حاکم کے لیے جدوجہد۔

(۶) جدید مسائل کی فہرست مرتب کر کے ترتیب وار ان کو حل کرنا۔ (۳۶)

مولانا کے نزدیک اگر جدید مسائل کو حل کرنے کی طرف توجہ نہ دی گئی اور اس حوالہ سے اجتماعی اقدامات نہ کیے گئے تو مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ مذہب سے بالکل مایوس ہو جائیں گے۔ مولانا کے نزدیک یہ کام بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا۔ یہ غالباً آخری وقت ہے، اگر اب بھی یہ کام نہ ہو سکا تو قوم وملت کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔

(۶) مسائل کے حل کا طریق کار

مولانا امینیؒ کی تجویز کردہ اس مجلس میں مسائل کس طرح حل کیے جائیں گے؟ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''صورت یہ ہو کہ پہلے حل طلب مسائل کی روح اور مقصد میں غور کیا جائے کہ شارع کے پیش نظر ان کے ذریعہ کس قسم کی مصلحت کا حصول اور کس قسم کی مضرت کا دفعیہ (انسداد) ہو سکتا ہے۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ ان احکام کو مزاج اور ذہنیت کی تبدیلی سے کتنا تعلق ہے؟ نیز موجودہ معاشرتی حالت اور سماجی زندگی کس حد تک ان کی روح اور اصلی کردار کو جذب وانگیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؟ اس بات کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ شارع کے پیشِ نظر ان مسائل کی صرف روح اور معنی مقصود ہیں یا قالب اور صورت بھی مقصود ومتعین ہیں۔ اگر دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں تو کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، معاشرتی حالت کو بتدریج ان کے قابل بنانے کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر یہ مسائل پہلی قسم سے تعلق رکھتے ہیں تو معاشرہ اور تمدنی تبدیلی کے ساتھ ان کی صورت میں تبدیلی ناگزیر ہوگی۔ لیکن ہر حال میں روح اور مقصد نظر انداز نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ مفید نتیجہ کی کوئی ضمانت نہ ہوگی۔'' (۳۷)

چنانچہ اگر اس طریقہ سے جدید اجتہادی مسائل کو حل کیا گیا تو اس کے حوصلہ افزا اور مفید نتائج برآمد ہوں گے۔ جو امت کی رہنمائی میں معاون ثابت ہوں گے۔ مولانا امینیؒ کے نزدیک بعض صورتیں ایسی ہوں گی جن کا حل آسان ہوگا۔ صرف اصول وکلیات اور ضرورت ومصلحت میں صحیح تطبیق سے ان کا حل نکل آئے گا اور بعض میں دشواری پیش آئے گی۔ اس صورت میں اختلافِ ائمہ سے فائدہ اٹھانے کی بھی ضرورت پڑے گی۔ لیکن ہر حال میں روح اور مقصد کو سامنے رکھنا ضروری ہوگا اور فقہی ضابطہ سے انحراف جائز نہ ہوگا۔ ورنہ شریعت ہوا وہوس، ذاتی خواہشات اور سہل پسندی کا ''بازیچہ'' بن جائے گی اور اس طرح اس پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

عصرِ حاضر میں فقہی اجتہاد کے درجات

مولانا امینیؒ کے نزدیک فقہی اجتہاد کے دو درجے ہیں:

(۱) اصول وکلیات (اجتہادی مآخذ وقواعد) میں اجتہاد جن پر احکام ومسائل کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور جن سے مسائل کا تعلق جوڑا جاتا ہے۔

(۲) احکام ومسائل میں اجتہاد جو اصول وکلیات سے مستنبط ہوتے ہیں' خواہ یہ مسائل اصول کی ترتیب وتدوین کے وقت موجود رہے ہوں یا بعد میں پیش آئے ہوں۔ (۳۸)

مولانا امینیؒ کی رائے میں پہلے درجہ پر اتنی زیادہ محنت کی ضرورت نہیں کیونکہ فقہاء نے اس قدر ذخیرہ فراہم کر دیا ہے کہ اس پر کام کرنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئے گی۔ البتہ ان کے نزدیک اس میں مندرجہ ذیل کام ہو سکتے ہیں:

☆ اصولِ قانون کو نئے انداز میں مرتب کرنا تاکہ افادہ اور استفادہ کی صورت عام ہو سکے۔

☆ جن تشریحات وتوضیحات کو زمانہ کے مقتضیٰ (تقاضوں) نے ختم کر دیا ہے ان کی جگہ انہی کی روشنی میں نئی تشریحات وتوضیحات قائم کرنا۔

☆ اصول کی اس انداز میں تنقیح (تجزیہ وتحلیل) کرنا کہ باہمی اختلاف کا سلسلہ کم ہو اور بتدریج فقہ کو قومی وملکی سطح سے بین الاقوامی سطح پر لانے میں سہولت ہو۔ (۳۹)

دوسرے درجہ کا اجتہاد ہی دراصل اہم کام ہے اور اس کی اہمیت سے کسی طور انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے آپ تحریر فرماتے ہیں:

> ''رہ گیا دوسرے درجہ کا اجتہاد تو وہ ایسی ناگزیر حقیقت ہے کہ ہر دور میں اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں ہے۔ اگر یہ سلسلہ نہ جاری رکھا گیا تو فقہ کے ایک حصہ کو عملی ضروریات سے کوئی تعلق نہ باقی رہے گا۔'' (۴۰)

چنانچہ اجتہاد کا مذکورہ طریقہ کار اجتہاد کے اسی درجہ میں ہوگا کیونکہ اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

دورِ حاضر میں اجتہاد میں حائل دشواریاں

دورِ حاضر میں اجتہاد کے نتیجے میں پیش آنے والی معاشرتی وسماجی تبدیلیوں کو سمیٹنے میں کئی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اگرچہ قرآن وسنت' صحابہ کرامؓ کا عمل اور فقہاء کا علمی سرمایہ سب محفوظ ہیں' لیکن پھر بھی ان سے استفادہ میں درج ذیل دشواریوں کی نشاندہی مولانا امینیؒ کرتے ہیں:

> ''(۱) مذہب کی نمائندگی جس انداز سے ہو رہی ہے اس میں بڑی حد تک فکر وعمل کی وہی خصوصیتیں موجود ہیں جو دورِ زوال کی یادگار ہیں اور جن کو زمانی تبدیلیوں نے پائمال بنا دیا ہے۔ چنانچہ اس امر پر سب کو اتفاق ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ لیکن ان شعبوں کی تعبیر وتفسیر میں اب تک سرمایہ دارانہ وجاگیردارانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔
>
> (۲) ہر سمجھ دار آدمی اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ بہت سے ملکی' تنظیمی اور معاشرتی قوانین حالات وزمانہ کی رعایت کیے بغیر اپنی افادیت برقرار نہیں رکھ سکتے' لیکن یہ ''تسلیم کرنا'' صرف زبانی ہے۔ شرعی

امور میں عملاً اب تک کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکا۔

(۳) موجودہ ترقیات اور بدلے ہوئے حالات سے سب مرعوب و متاثر ہیں، لیکن مرعوبیت اور تاثر کا ظہور دو مختلف طریقوں سے ہو رہا ہے۔ ایک طبقہ حدود و قیود کو نظر انداز کر کے سب کچھ قبول کرنے میں خوش ہے اور دوسرا ماتم کرنے اور گریز و فرار کی راہ اختیار کرنے میں مگن ہے۔ مضطرب و غیر مطمئن نہ یہ طبقہ ہے اور نہ وہ ہے۔ پھر عدل و اعتدال کی ضرورت کس کو پیش آئے؟ اور اس کی راہیں کیونکر کھلیں؟

(۴) عدل و اعتدال کی توقع متوسط طبقہ سے ہو سکتی تھی، لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ متوسط طبقہ کا عملاً اب تک وجود نہیں ہے۔ بعض حضرات کی خواہشیں یقیناً قابل قدر ہیں لیکن وہ صرف خواہشیں ہیں جو معمولی آزمائش کے وقت نہایت نیک نامی کے ساتھ دب جاتی ہیں اور پھر چند دنوں کے لیے ابھر آتی ہیں۔ ان خواہشات کو بروئے کار لانے کے لیے کوئی مؤثر طاقت ہے اور نہ بے چین کر دینے والا احساس۔

(۵) یہ کام جرات و ہمت اور کھلے دماغ کے ساتھ براہِ راست غور و فکر کے بغیر نہیں انجام پا سکتا۔ لیکن مذہب کے نام پر مختلف برادریاں اور گروہی تعلقات کی جکڑ بندیاں کچھ اس طرح گرفت میں لیے ہوئے ہیں کہ ان سے صرفِ نظر کر کے جرأت و ہمت کے مظاہرہ کی توقع بے سود ہے اور ان کو ساتھ لے کر کھلے دماغ کے ساتھ کسی فیصلہ کی امید بے کار ہے۔'' (۴۱)

یہ وہ حالات ہیں جن کے باعث موجودہ دور میں اتنا فقہی سرمایہ ہونے کے باوجود ہم اجتہاد کے حوالہ سے کوئی قابلِ قدر کام نہیں کر پا رہے۔ اگر ان مشکلات پر قابو پایا جا سکے تو ہم موجودہ دور میں اجتہاد کے خدوخال واضح کر کے اس سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں اجتہاد میں احتیاط

چونکہ اجتہاد کا کام انتہائی نازک ہے اس لیے مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذمہ داری اور نیک نیتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اجتہادی احکام مستنبط کرے۔ مولانا امینؒ کے نزدیک نااہلوں کی رائے اور بلا کسی شرط و قید کے آزادانہ رائے کے اعتبار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر نااہل لوگ یہ کام کرنے لگ جائیں گے تو پھر اجتہاد کی اہمیت و افادیت بھی سوالیہ نشان بن جائے گی۔ چنانچہ اہل لوگ ہی اجتہاد کے حقدار ہوں گے۔ یہ اہل لوگ کون ہوں گے اور ان کی صلاحیتیں کیا ہوں گی اس حوالہ سے مولانا نے کوئی وضاحت نہیں فرمائی۔ موجودہ دور میں اجتہاد کی نزاکت اور مشکلات کا ان کو بھرپور احساس ہے اور اس کی جھلک ان کی تحریروں میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''موجودہ دور میں 'جدید تدوین' کا کام حالات و ضروریات کے پیش نظر جس قدر زیادہ اہم ہے اسی قدر نازک اور مشکل بھی ہے۔ اس کے نوک پلک درست کرنے کے لیے بڑی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کی ضرورت ہے۔ 'خوردبینی' کی نگاہیں اس سلسلہ میں بیکار ثابت ہوں گی۔ 'حقیقت بینی' کی نگاہوں کے بغیر اس راہ میں قدم اٹھانا مزید خطرات کو دعوت دینا ہوگا۔'' (۴۲)

دورِ حاضر میں ایک طبقہ وہ بھی ہے جو ہر امر میں سہولت اور ہر حکم میں رعایت تلاش کرتا ہے' حتیٰ کہ وہ احکام جو مسلّمہ اور غیر مبدّل ہیں ان میں بھی رعایت اور خود ساختہ آسانی کا متلاشی ہے۔ مولانا کے مطابق:

''مذہبی قانون کے معاملہ میں یہ رعایت اور زیادہ 'نزاکت' اختیار کر لیتی ہے' کیونکہ قانون کے کردار اور اثر کا تعلق بڑی حد تک روح اور مزاج ہی سے وابستہ ہے۔ جب اس سے غفلت ہوتی گئی تو قانون مؤثر ہونے کے بجائے خود 'متاثر' ہونے لگتا اور رفتہ رفتہ اپنی 'قوتِ جاذبہ' ختم کر کے معاشرتی ناہمواریوں اور بشری کمزوریوں سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ پھر اس کی حیثیت ایک رسم یا محض 'ضابطہ' کے خانہ پُری کے باقی رہ جاتی اور داخلی زندگی سے متعلق تقریباً ساری افادی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔''(۴۳)

حوالہ جات

(۱) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۳۶۵: قدیمی کتب خانہ' کراچی' س۔ن

(۲) مرجع سابق

(۳) مرجع سابق' ص ۳۶۶۔۳۶۵

(۴) مرجع سابق' ص ۳۶۶

(۵) خیر محمد رمضان نے مولانا امینی کا ذکر بڑے عمدہ انداز میں کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ویعد من العلماء العاملین فی مجال تدوین الفقه الاسلامی من جدید' وقد عکف علی ذلك الی آخر حیاته' واستطاع ان یؤلف کتبا ذات اهمیة علمیة حول الفقه الاسلامی و مراعاة الظروف فی الاحکام الشرعیة

''آپ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلامی فقہ کے اصولوں پر دور جدید کے مسائل کا حل پیش کرنے کے لیے عملی کام کیا اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی عمل میں مشغول رہے۔ چنانچہ آپ نے فقہ اسلامی اور احکام شرعیہ سے متعلق بڑی اہم کتب تصنیف کیں۔'' (تفصیل ملاحظہ ہو خیر محمد رمضان' تتمه الاعلام للزرکلی' ج ۲' ص ۱۳۵: دارالعلم للملایین' بیروت' ۲۰۰۲ء)

(۶) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۳۶۷۔۳۶۶

(۷) یہ مولانا کی نامکمل اردو تفسیر ہے۔ ماہنامہ ''حکمت قرآن'' لاہور میں سورۃ الفاتحہ سے سورۃ آل عمران تک قسط وار شائع ہوئی تھی۔ اگر زندگی مہلت دیتی تو اردو تفاسیر میں ایک عمدہ اضافہ ہوتا۔ راقم کا اسے ایڈٹ کرنے کا ارادہ ہے۔

(۸) جاوید احسن فلاحی صاحب نے ''مولانا محمد تقی امینی: حیات و خدمات'' کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھا ہے' جس پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ہندوستان) نے انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی ہے۔ نیز علی گڑھ ہی سے مولانا امینی پر ایم فل سطح کے دو تحقیقی مقالے بھی لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان ہی کے ایک شخص غلام احمد خان صاحب نے مولانا امینی کی متعدد کتب کا انگریزی اور اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

(۹) پاکستان میں اب تک مولانا امینی پر محض ایک تحقیقی مقالہ ''مولانا محمد تقی امینی کی فقہی خدمات'' کے عنوان سے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی (ملتان) سے لکھا گیا ہے جو راقم کا تحریر کردہ ہے۔ عنقریب یہ کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔

(۱۰) صبحی محمصانی' ڈاکٹر' فلسفہ شریعت اسلام' ص ۱۷۹' مجلس ترقی ادب' لاہور' ۱۹۷۰ء

(۱۱) غازی' محمود احمد' ڈاکٹر' محاضراتِ فقہ' ص ۳۳۲۔۳۳۱' الفیصل ناشران و تاجران کتب' لاہور' ۲۰۰۵ء

(۱۲) ضیاءالدین احمد' دانائے راز' ص ۱۳۵' غضنفر اکیڈمی' کراچی' ۱۹۸۳ء
(۱۳) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۱۸' قدیمی کتب خانہ' کراچی' ۱۹۸۸ء
(۱۴) محمد عثمان' ڈاکٹر' فکر اسلامی کی تشکیلِ نو' ص ۱۴۵' سنگ میل پبلیکیشنز' لاہور' ۱۹۸۷ء
(۱۵) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۲۳۸
(۱۶) امینی' محمد تقی' فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' ص ۲۲: قدیمی کتب خانہ' کراچی' ۱۹۹۱ء
(۱۷) مرجع سابق' ص ۳۵۶
(۱۸) مرجع سابق' ص ۲۰۔۱۹
(۱۹) اس کا آغاز ۱۸۵۶ء میں ہوا اور ۱۸۷۶ء میں یہ کام مکمل ہو گیا۔ اس کتاب کو سولہ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور جملہ فقہی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ سلطنتِ عثمانیہ کا پہلا مدون اور کوڈیفائیڈ (codified) سول لاء تھا جو فقہ اسلامی سے بالعموم اور فقہ حنفی سے بالخصوص ماخوذ تھا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔
(۲۰) یہ عظیم الشان کام تیس چالیس سال کی مسلسل محنت کے بعد مکمل ہوا ہے اور اس کام میں عرب دنیا کے بہترین دماغ استعمال ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے اہلِ علم نے اسلامی فقہ اکیڈمی کے زیر انتظام اس کتاب کی متعدد مجلّدات کا اردو ترجمہ کر دیا ہے جو شائع بھی ہو چکا ہے۔
(۲۱) امینی' محمد تقی' فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' ص ۲۰
(۲۲) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۲۰
(۲۳) مرجع سابق' ص ۵۹
(۲۴) چراغِ راہ (اسلامی قانون نمبر)' ج ۲' ص ۲۷۰: دفتر چراغِ راہ' کراچی' ۱۹۵۸ء
(۲۵) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۲۳۷
(۲۶) سورۃ الطلاق' آیت: ۲
(۲۷) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۳۵۸
(۲۸) مرجع سابق' ص ۳۶۱۔۳۶۰
(۲۹) امینی' محمد تقی' احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت' ص ۲۱' الفیصل تاجران و ناشران کتب' لاہور' س۔ن
(۳۰) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۷۷
(۳۱) امینی' محمد تقی' فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر' ص ۲۲
(۳۲) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۳۶۴
(۳۳) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۳۴
(۳۴) مرجع سابق' ص ۶۶
(۳۵) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۶۸۔۶۷
(۳۶) مرجع سابق' ص ۷۹
(۳۷) مرجع سابق' ص ۳۴
(۳۸) امینی' محمد تقی' اجتہاد' ص ۲۴۸
(۳۹) مرجع سابق' ص ۲۴۹
(۴۰) مرجع سابق' ص ۲۵۰
(۴۱) امینی' محمد تقی' احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت' ص ۲۵۔۲۴
(۴۲) امینی' محمد تقی' اسلام اور جدید دور کے مسائل' ص ۳۴
(۴۳) مرجع سابق' ص ۵۶

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : تعمیر سیرت وکردار

مصنف : انجینئر مختار حسین فاروقی

ضخامت : ۳۲۰صفحات قیمت: ۴۵۰ روپے

ناشر: قرآن اکیڈمی' لالہ زار کالونی نمبر۲' ٹوبہ روڈ' جھنگ صدر

انجینئر مختار فاروقی' صاحب علم وعمل شخصیت ہیں۔ وہ اچھے ادیب اور خطیب ہیں۔ ایک مؤقر ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' کے مدیر ہیں' جس میں اعلیٰ علمی سطح کے فکر انگیز مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی وقیع کتابوں کے مصنف ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب سیرت وکردار کی اہمیت پر مبنی ہے۔ یہ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اسلام ایک مکمل دین ہے' یعنی ہر شعبۂ زندگی کے متعلق جامع معلومات فراہم کرتا ہے۔ مصنف نے کوشش کی ہے کہ مختلف عنوانات کے تحت مضامین کو یکجا کر دیا جائے تا کہ زندگی کے کئی اہم گوشوں کی اہمیت واضح ہو جائے۔ اس کتاب کے مضامین میں کچھ وہ تحریریں ہیں جو مصنف نے ''حکمت بالغہ'' میں شائع کیں اور کچھ ان کے خطابات ہیں جو مختلف مواقع پر کیے گئے۔ سیرت وکردار کی تعمیر کے لیے وہ حواسِ خمسہ کی بیداری اور اعضاء وجوارح کے صحیح استعمال کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ انسان حیوانی سطح پر زندگی گزارتا ہے جو ماحول پر غور وفکر نہیں کرتا بلکہ اس کی دلچسپی صرف کھانے کمانے تک محدود ہوتی ہے۔ اس طرح وہ انسانیت کی عظمت سے غافل ہے۔

مسلم معاشرے میں عورتوں کے کردار کی اہمیت کو بھی واضح کیا ہے۔ اور مسلمان عورت کے لیے ازواج النبی ﷺ کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ یہ عورتیں ہی ہیں جو مردوں کو سازگار ماحول مہیا کرتی ہیں اور وہ کردار کے اعلیٰ نمونے پیش کر سکتے ہیں۔ اگر عورت اچھے کاموں میں مرد کا ساتھ نہ دے تو باصلاحیت ہونے کے باوجود مرد پسماندگی کا شکار ہو جاتا ہے۔

مصنف نے اپنے مضامین میں جابجا فارسی اشعار quot کر کے بات کو واضح تر کر دیا ہے۔ مختصراً یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس سے وسیع پیمانے پر فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے مدلل اور جامع مباحث سیرت وکردار کی تعمیر میں قاری کے ممد ومعاون ہوں گے۔

(۲)

نام کتاب : گلستانِ دعا

مصنف : عمرالدین قریشی

ضخامت : ۵۸۴صفحات قیمت: درج نہیں

ناشر: القریش ٹرسٹ' مکان نمبر۱۷' سٹریٹ ۳۹' سیکٹر F-6/1 اسلام آباد ملنے کا پتہ: ایضاً

یہ کتاب دعاؤں پر مشتمل ہے' جس میں قرآنی دعائیں اور مسنون دعائیں درج ہیں۔ کتاب کے آغاز میں چند معروف علمی شخصیات کے پیش لفظ ہیں۔ شروع میں سات ابواب ہیں جن میں دعا کے بارے میں اہم باتیں ہیں' مثلاً دعا کی اہمیت اور فضیلت' دعا حدیث کی روشنی میں' قرآن میں دعا کا حکم' دعا صرف اللہ تعالیٰ سے' قبولیت دعا' شرائط دعا' توبہ واستغفار' دعا کے مقبول اوقات وغیرہ۔ اس کے بعد کتاب کے تین حصے ہیں' پہلا حصہ قرآنی دعاؤں پر مشتمل ہے' جس میں دو فصلیں ہیں' جن میں مختلف دعاؤں کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں احادیث پر مشتمل دعائیں ہیں۔ اس میں ۱۹ فصلیں ہیں۔ ہر فصل میں مختلف عنوانات کے تحت مسنون دعائیں اور ان کے فضائل بتائے گئے ہیں۔ حصہ سوم میں حج وعمرہ سے متعلقہ دعائیں ہیں۔ یہ حصہ چار فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں حج اور عمرے کا فرق' حج کی قسمیں' میقات اور احرام کے بارے میں معلومات ہیں۔ دوسری فصل میں عمرہ کی ادائیگی کا مسنون طریقہ بتایا گیا ہے۔ حج کے مقام اور ہر مقام کی دعا بتائی گئی ہے۔ تیسری فصل میں حج کے فرائض' واجبات اور سنتوں کا بیان ہے۔ حج کے پانچوں دنوں کا ترتیب کے ساتھ پروگرام بتایا گیا ہے۔ چوتھی اور آخری فصل میں مدینہ منورہ کا سفر اور روضہ پاک کی زیارت کے آداب اور وہاں کے مقدس مقامات بتائے گئے ہیں۔ گویا کتاب کا تیسرا حصہ حج اور عمرہ پر جانے والوں کے لیے راہنمائی کرتا ہے۔

افسوس کہ کتاب میں کمپوزنگ کی بہت سی اغلاط ہیں' جن کی تصحیح پر مشتمل مفصل اغلاط نامہ بھی لگا دیا گیا ہے' تاہم اتنی اغلاط قاری کے لیے پریشانی کا موجب ہیں۔

(۳)

نام کتاب : امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

مؤلف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت : ۲۱۶صفحات' قیمت: درج نہیں

ملنے کا پتہ : القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد ضلع نوشہرہ

مولانا ابوالکلام آزاد عبقری شخصیت تھے۔ ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ اُن کے حالات وکوائف

پر لاتعداد کتابیں لکھی گئیں اور درجنوں مضامین قلم بند ہوئے۔ اُن کے علمی' ادبی' قومی' ملی اور تاریخی کارنامے بحرِ بے پایاں کی مانند ہیں۔ زیرِتبصرہ کتاب بارہ ابواب میں منقسم ہے جن میں سے چند ایک کے عنوان اس طرح ہیں:

☆ خاندانی عظمت' مولد و مسکن' نام و نسب' والدین اور بہن بھائیوں کا ذکر
☆ تعلیم و تربیت' ذکاوت و ذہانت' عالمانہ فضیلت اور شوقِ مطالعہ
☆ عادات و اطوار' سیرت و کردار' لباس و خوراک اور معمولات
☆ ذوقِ عبادت' عشقِ رسولؐ اور اتباعِ سنت
☆ اخلاقِ حسنہ' عفو و درگزر' فقر و استغناء اور صبر و استقامت
☆ صحافت اور سیاست کے میدانوں میں کارہائے نمایاں اور تفسیری افادات
☆ قید و بند کی صعوبتیں اور آپ کی زندگی کے حیرت انگیز واقعات
☆ سفرِ آخرت

مولانا حقانی نے ابوالکلام آزاد پر لکھی جانے والی درجنوں کتب کا مطالعہ کیا ہے اور جابجا اُن میں سے اقتباس لیے ہیں۔ پھر انہی اقتباسات کو مہارت اور سلیقے کے ساتھ دلکش انداز میں مع حوالہ جات قلمبند کر کے یہ کتاب تیار کی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے قاری مولانا ابوالکلام آزاد کی زندگی کے مختلف گوشوں سے روشناس ہو جائے گا' تاہم اُن کی شخصیت کے تمام پہلو واضح کرنے کے لیے کوئی ایک کتاب کافی نہیں۔

کتاب کی ترتیب و تدوین میں مولانا حقانی کی سعی و کوشش قابلِ تعریف ہے۔ کتاب میں کہیں کہیں کمپوزنگ کی اغلاط دیکھنے میں آئی ہیں۔ جلد مضبوط اور ٹائٹل شایانِ شان ہے۔

(۴)

نام کتاب : التبیان فی الربط بین سُور القرآن

مصنف : مولانا محمد رئیس

ضخامت : ۱۲۸ صفحات' قیمت: ۱۰۰ روپے

ملنے کا پتہ : القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد' نوشہرہ

قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا اولین سرچشمہ ہے۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کا بالاستیعاب مطالعہ کرے۔ قرآن فہمی کا مقصد حاصل کرنے کے لیے دیگر لوازمات کے ساتھ ساتھ آیات کا شانِ نزول' زمانۂ نزول اور سرزمین نزول سے واقفیت ناگزیر ہے۔ اس کے علاوہ آیات اور سورتوں کا باہمی ربط ملحوظِ خاطر ہو تو تفہیم آسان ہو جاتی ہے۔ زیرِتبصرہ کتاب میں مصنف نے قرآن مجید کی سورتوں کے باہمی ربط کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ عرضِ مؤلف کے عنوان کے تحت مولانا محمد رئیس نے فہم قرآن کی اہمیت بیان کی ہے۔ اگلے صفحات میں قرآن کی وجہ تسمیہ' اسماء القرآن' قرآن مجید کے صفاتی نام' موضوعِ قرآن' مقاصد قرآن'

مضامین قرآن، مخاطبین قرآن، مشرکین، منافقین، شرک کی اقسام، توحید اور اقسامِ توحید، عبادات کی اقسام اور سورتوں کے باہمی ربط پر مختصراً اظہار خیال کیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب اپنے موضوع پر اچھی کتاب ہے، مگر اختصار کی وجہ سے قارئین تشنگی محسوس کریں گے۔ حیرت کی بات ہے کہ کمپوزنگ کی غلطیوں کی بھرمار ہے، ایسا لگتا ہے کہ پروف ریڈنگ کی نوبت ہی نہیں آئی اور کتاب چھپ گئی ہے۔

(۵)

نام کتاب : افکارِ علوی

مصنف : مولانا سعید الرحمٰن علوی

صفحات: ۲۰۷ قیمت: ۲۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: الفیصل ناشران، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

مولانا سعید الرحمٰن علوی مرحوم و مغفور معروف عالم دین تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے۔ درس و تدریس اور خطابت میں زندگی گزاری۔ لاہور سے شائع ہونے والے مشہور اور ہر دل عزیز ہفت روزہ ''خدام الدین'' کے سالہا سال ایڈیٹر رہے۔ ''افکارِ علوی'' مولانا سعید الرحمٰن کی اُن تقاریر کا مجموعہ ہے جو ریڈیو پاکستان سے ''حی علی الفلاح'' پروگرام میں نشر ہوتی رہیں۔ یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں عنوان سے متعلقہ تقاریر درج کی گئی ہیں۔ ابواب کے عنوان اس طرح ہیں:

(۱) قرآنیات، تفسیر اور فقہ

(۲) سیرتِ نبویؐ اور تذکرۂ صحابہ رضی اللہ عنہم

(۳) تصوف و سلوک

(۴) عبادات، اخلاقیات، معاملات اور حقوق العباد

(۵) اکابر کا عشق نبویؐ

(۶) تحصیل علم، عدل و احسان اور راہ اعتدال

تمام تقاریر ٹھوس اسلامی تعلیمات پر مشتمل اور پر اثر ہیں۔ مولانا سعید الرحمٰن علویؒ کی وفات کے بعد یہ تقاریر اُن کے عزیز عزیز الرحمٰن خورشید نے مرتب کر کے شائع کی ہیں۔ کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں سنجیدگی اور احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ اغلاط کی اصلاح ضروری ہے۔

MESSAGE OF THE QUR'AN

Translation and Brief Elucidation

By

Dr. Israr Ahmad

Surah An-Nisa — cont....

(Ayaat 60-70, inclusive)

Translator's Note:

For the sake of continuity and coherent explanation, most of the general discourse has been made by employing the 'male' as a prototype, which is in no way meant to be diminutive of the opposite gender or to disrespect the status of women.

Moreover, each verse (Ayah) has been kept as a continuum in order to prevent the misrepresentation of meanings, which may occur when the verses are broken up and the translation of those verses becomes kaput when done in bits and pieces.

Cross-references taken from other parts of the Qur'an and the Hadith of the Messenger of Allah (SAW) are provided in italics.

The Translation of the Holy Qur'an done by the Message International – USA (www.FreeQuran.com) and edited by Saheeh International – UK, Dar Al Mountada – Saudi Arabia and Al Qummah – Egypt has been used in order to synchronize the use of modern English Language, which we believe will give a more accomplished sense of understanding to Today's mind.

Recap from the previous issue:

The reader would recall that we had concluded our previous translation and elucidation of Surah An-Nisa (Women) at verse 59, which related to the merciful concessions bestowed upon Muslims by our Creator *(SWT)* and Sustainer *(SWT)* at times when even in the performance of His *(SWT)* strictest of Commandments made binding

on us, we are unable to find the means and resources to fulfill them. The aforementioned section of the Surah also provided us with a charge sheet of the wicked and preposterous claims and deeds of the enemies of Islam, including the Munafiqun (hypocrites) and the mischievous folk from within the Jewish community. Due to their unrighteous conduct and their failure to implement the Shariah (the code of life revealed divinely) upon themselves, the Jews were metaphorically equated to a donkey laden with a load of books and Allah *(SWT)* warned them of the torment awaiting them in the form of Hellfire, provided that they did not mend their ways. When read between the lines, the message given to us by the Qur'an is that Allah *(SWT)* is indeed immensely Pardoning and Forgiving, yet equally Just in holding those who keep rebelling against Him *(SWT)* and His noble Messengers *(AS)*.

After the aforementioned recap of the previous verse, we will now continue our exposition from verse 60 of Surah An-Nisa.

Verse 60

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ
أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝

"Have you not seen those who claim to have believed in what was revealed to you, [O Muhammad], and what was revealed before you? They wish to refer legislation to taghut, while they were commanded to reject it; and Satan wishes to lead them far astray."

Elucidation: The word 'Taghut' used in the verse clearly signifies an entity masquerading as a sovereign, who in fact judges things according to criteria other than the Laws of Allah *(SWT)*. It also stands for a legislative and judicial system which acknowledges neither the sovereignty of Allah *(SWT)* nor the paramount authority of the Book(s) of Allah *(SWT)*. This verse categorically proclaims that to refer disputes to the judgment of a court of law which is essentially an Embodiment of Evil i.e., 'taghut' contravenes the dictates of a believer's faith. In fact, true faith in Allah *(SWT)* and His Book(s) necessarily require that a man should refuse to recognize the legitimacy of all such courts and the law upheld therein. According to

the Qur'an, belief in Allah *(SWT)* necessitates repudiation of the authority of 'taghut'. An attempt to submit to Allah *(SWT)* as well as to that Embodiment of Evil 'taghut' simultaneously is called hypocrisy (*Translator's note: which the Muslim of today, unfortunately, practices Day-in and Day-out!*).

Verse 61

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾

"And when it is said to them, 'Come to what Allah has revealed and to the Messenger,' you see the hypocrites turning away from you in aversion."

Elucidation: This shows that the hypocrites were inclined to refer to the Messenger of Allah *(SAW)* those cases in which they expected a favorable decision. When they feared an adverse judgment they refused to refer their matters to the Prophet *(SAW)*. This continues to be the practice of hypocrites even today.

(***Translator's note:*** *Whenever it appears to them that Islamic Law would further their interests they turn to it but when they feel that it would militate against them they refer their disputes to whichever legislative systems and courts of law, customs and usages which they anticipate likelier to give them a favorable decision.)*

Verse 62

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾

"So how [will it be] when disaster strikes them because of what their hands have put forth and then they come to you swearing by Allah, 'We intended nothing but good conduct and accommodation.'"

Elucidation: This may mean that when Muslims become aware of their hypocritical activities and therefore, as they feel afraid of being caught, censured, and eventually punished, the hypocrites resort to every stratagem, including pseudo-oaths, in order to assure people that they are true believers. The same modus operandi would be endeavored by the hypocrites on the Day of Judgment as if to deceive Allah *(SWT)*, but will fail miserably in the presence of the Omniscient One.

Verse 63

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

"[As of them] those are the ones of whom Allah knows what is in their hearts, so turn away from them but admonish them and speak to them a far-reaching [i.e., effective] word."

Elucidation: This verse picks-up from where the previous one left. Although these hypocrites and disbelievers may be able to fool most of mankind into believing and following them, they can most certainly not deceive Allah *(SWT)*, Who, being Omniscient, knows exactly what diseases in the form of hatred for the Muslims exist and evolve in their hearts. Allah *(SWT)*, thus orders His Messenger *(SAW)* and all Muslims to come in later times to stay away from them, rebuke them for their *Doublespeak (Translator's Note: the term borrowed from George Orwell's novel, 1984)* and if necessary dialogue with them in a serious manner with an assertive tone.

Verse 64

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾

"And We did not send any messenger except to be obeyed by permission of Allah. And if, when they wronged themselves, they had come to you [O Muhammad], and asked forgiveness of Allah and the Messenger had asked forgiveness for them, they would have found Allah Accepting of repentance and Merciful."

Elucidation: This is to impress upon us that Prophets *(AS)* are not sent so that people may pay lip-service to their Prophethood and then obey whoever or whatever they wish. The purpose of sending Prophets *(AS)* is that people should follow the Laws of Allah *(SWT)* as brought and expounded by them *(AS)* rather than laws devised by man, and that they *(AS)* should obey the commands of Allah *(SWT)* as revealed unto the Prophets *(AS)* to the exclusion of the contradictory commands of others, which has taken an unfortunate U-turn for the whole of Mankind in the times in which we live.

Verse 65

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

"But no, by your Lord, they will not [truly] believe until they make you, [O Muhammad], judge concerning that over which they dispute among themselves and then find within themselves no discomfort from what you have judged and submit in [full, willing] submission."

Elucidation: The application of the injunction embodied in this verse is not confined to the life-time of the Messenger of Allah *(SAW)* only. It will, Allah *(SWT)* willing, remain obligatory until the Day of Judgment. The guidance for all Mankind that the Holy Prophet *(SAW)* proclaimed on Allah's *(SWT)* behalf and the manner in which he *(SAW)* followed Allah's *(SWT)* commandments, will remain the universal benchmark for Muslims, eternally. In fact, recognition of that guidance as the final authority is the criterion of true belief. This principle was pronounced by the Messenger of Allah *(SAW)* in the following words:

> *'None of you can become a believer until his desires become subservient to what I have brought (i.e., my teachings).'*
>
> *(Cited by al-Nawawi in his Al-Arba'in; tradition no. 41)*

What logically follows is that a revolutionary movement for the restoration of Khilafah can never succeed in its goal until and unless it follows the methodology adopted by the Messenger of Allah *(SAW)* to a very planck.

Verse 66

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝

"And if We had decreed upon them, 'Kill yourselves' or 'Leave your homes' they would not have done it, except for a few of them. But if they had done what they were instructed, it would have been better for them and a firmer position [for them in faith]."

Elucidation: As these people are not prepared to endure even minor

losses and inconveniences in order to follow the Laws of Allah *(SWT)*, they can never be expected to make big sacrifices. If asked either to lay down their lives or to give up their homes and families for the sake of the Truth they would return straight back to unbelief and disobedience.

Had these people been able to free themselves of uncertainty, hesitation and ambivalence, and to resolve firmly to follow and obey the Holy Prophet *(SAW)*, their lives would have been spared the instability and fear from which they suffer. Their way of thinking, their morals and their practical dealings would all have found permanent and stable foundations, and they would have enjoyed the blessings granted only to those who follow 'The Straight Path' with firmness and resolution. Because for the one who is subject to indecision and hesitation, and keeps changing from one direction to another in a state of doubt, life is a continuously tedious exercise in futility.

Verse 67

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ

"And then We would have given them from US a great reward."

Elucidation: This verse is oft-repeated in the Qur'an and self-explanatory. The reward could manifest itself in this material and worldly existence of ours, but the real and lasting reward would be granted by Allah *(SWT)*, the Most Bountiful, to believers on the Day of Judgment.

Verse 68

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ

"And We would have guided them to a straight path."

Elucidation: This verse too is self-explanatory and oft-repeated, referring to 'The Straight Path', i.e. the path that is devoid of all crookedness and leads directly to heaven. It is repeated plentiful as a part of the five obligatory congregational prayer services (Salat) every day by Muslims around the world when they recite the opening Chapter of the Qur'an – Surah Al-Fatiha – in every Rakat (section) of the prayer service.

Moreover, by giving up doubts and deciding, with complete faith, conviction and comprehension, to follow the methodology (Sunnah) of the Holy Prophet *(SAW)*, 'The Straight Path' is bound to open up before them by the grace of Allah *(SWT)*. They would then be able to perceive clearly the channels in which their energies should be utilized, so that each step they take would be a step towards the true goal, i.e., the pleasure of Allah *(SWT)* and the awaited reward (Jannah) on the Day of Judgment.

Verse 69

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

"And whoever obeys Allah and the Messenger – those will be with the ones upon whom Allah has bestowed favor of the prophets, the steadfast affirmers of truth, the martyrs and the righteous. And excellent are those as companions."

Elucidation: This verse elaborates the baseline model benchmarks which are contained in the phrase 'Followers of the Straight Path'. Firstly, the Messengers of Allah *(AS)*, the last of whom Prophet Muhammad *(SAW)* came as the 'Seal of Prophets' and ought to be **the** role model for Muslims of all times.

Secondly the 'Siddiq'uin' (The Truthful), which embodies all those who are utterly honest and whose devotion to the Truth has reached the pinnacle of that virtue. Such a person is always upright and straightforward in his dealings. He supports nothing but right and justice and does so with sincerity. He opposes whatever is contrary to truth, and does not waver in his opposition to falsehood. His life is so unblemished and selfless that even enemies, let alone friends, expect of him unadulterated probity and justice.

The term 'Shaheed' (singular of the word 'Shuhada' used in the verse) means 'a witness'. It signifies one who attests to the Truth of his faith from cradle to grave. He who lays down his life fighting in the cause of Allah *(SWT)* is called a 'Shaheed' because by this sacrifice he confirms that his professing of faith was backed by a deep and

genuine conviction of its Truth, and that he valued it above his own life. The term 'Shaheed' is also applied to those outstandingly honest people who are so trustworthy that their testimony, on any matter, is accepted without hesitation.

'Salih' (Singular of the term 'Saliheen' used in the verse) denotes one whose belief and thinking, motives and intentions, words and deeds, are based on righteousness. In short, he is a person whose life as a whole is oriented to righteousness and his professed faith does not contradict with his internal faith.

The bottom line is that one who enjoys and stays in the company of the kind of people mentioned above and whom Allah *(SWT)* judges worthy of the same company in the Hereafter is exceedingly fortunate. The fact is that unless a man's natural sensitivity has atrophied, the companionship of corrupt and wicked people is a painful punishment even in this transient world, let alone the thought of perpetual companionship of such people in the abiding life of the Hereafter. Good people have always longed for the company of their like, both in this world and in the Next.

(Translator's Note: Allah's Messengers (AS) do not fall under the category of 'physical companionship' anymore, as the door of Prophethood was closed with the advent of Prophet Muhammad (SAW) some 1400 years ago)

Verse 70

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝

"This is the bounty from Allah, and sufficient is Allah as Knower."

Elucidation: At the end of the day, it is the Grace, Mercy and Bounty of Allah *(SWT)* that leads one to The Straight Path in this transient world and eventually to paradise in the Hereafter. The whole matter of life in this world and in the Hereafter, and the abode awaiting one in the latter is all in the Infinite Knowledge of Allah *(SWT)*, the Praiseworthy (period).

And Allah *(SWT)* Knows Best!

رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت، آپؐ کے مقصدِ بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

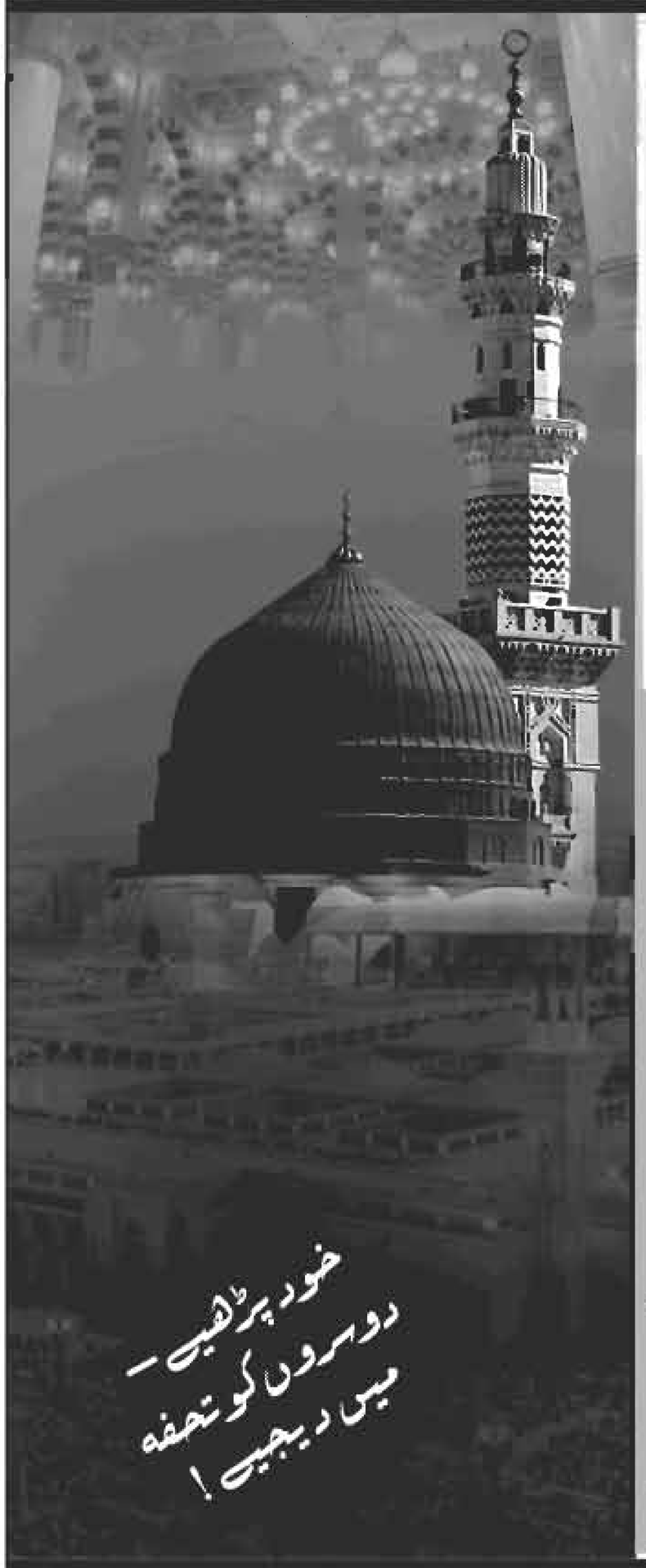

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):

امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):

امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-042

maktaba@tanzeem.org

Quarterly HIKMAT-E-QURAN Lahore
Oct - Dec. 2014 Vol.33 No.4

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان —— اور —— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے —— اور —— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ